اسلامی جہدِ امن کا سفیر

تاجدارِ ختمِ نبوت زندہ باد

ماہنامہ

الحقیقۃ

پاکستان

دسمبر 2020ء



سرکار ﷺ کی غلامی ذریعہ نجات

کشفِ معانی المکتوباتِ امامِ ربانیؒ



سیدنا غوثِ اعظمؒ کا ایک وعظ

اداریہ

نبی ﷺ کا خادم رضی اللہ عنہ

یک بارگی دی گئی تین طلاقوں کا ایک کہنا



قائدِ اعظم

ایک عظیم محسن



قادیانیوں پر برق

فہرست

حمد و نعت

نہیں شک اس حقیقت میں ذرا بھی — نبی کی نعت ہے حمد خدا بھی
خدا ہے قادرِ مطلق یقیناً — نبی مقدور بھی ، قدرت نما بھی
خدا ہی کو ہے زیبا کبریائی — ظہور کبریا ہیں مصطفےٰ بھی
خدا ہی خالق یکتا ہے لیکن — ہیں وجہ خلق شاہِ دوسرا بھی
خدا معبود پر جانِ عبادت — ہے تعظیم حبیب کبریا بھی
خدا مقصود ہے اہل نظر کا — نبی ہیں رہبر راہ ہدیٰ بھی
خدا موجود ہے اور اس کے مظہر — رسول ہاشمی بدر الدجیٰ بھی
شریک حق نہیں واللہ کوئی — نہیں یونہی مثیل مصطفےٰ بھی
خدا کو مالک روز جزا مان — نبی کو شافع روز جزا بھی
نبی لیں فیض حق سے دیں بشر کو — بشر ہیں اس لئے نورخدا بھی
خدا سے مانگ اے بندے خدا کے — مگر کہہ لے" طفیل مصطفےٰ" بھی
ملا جس کو شہ کونین کا در — خدائی بھی ملی اس کو خدا بھی
کئے محتاج و حاجت جس نے پیدا — نہ کیوں پیدا کرے حاجت روا بھی
جو کی حکمت سے پیدا رب نے مشکل — تو رحمت سے کئے مشکل کشا بھی
خدا ہے ماورائے عقل و دانش — تصور سے فزوں ہیں مصطفےٰ بھی
غضب ہے ان کو منکر بھائی سمجھے — کریں تعظیم جن کی انبیاء بھی

طفیل نقش لاثانی کرم ہو
کہ آسی ہے فقیر بے نوا بھی

﴿حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

یونس-۶۲

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .... کا خادم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

وہ پاکستان کے ضلع اٹک کی تحصیل پنڈی گھیب کا رہنے والا تھا...... وہ نہ تو کسی بڑے عالمِ دین کا فرزند تھا، نہ کسی درگاہ کا گدی نشین...... کسی نامی گرامی سرمایہ دار، جاگیردار، عہدیدار، وزیر یا سینیٹر کا رشتہ دار بھی نہیں تھا...... البتہ حفظِ قرآن کی دولتِ لازوال سے مالا مال تھا اور شیخ الحدیث کی عالیشان مسند کا صدر نشیں بھی...... لیکن ممتاز ترین وصف جو اس کی ہیئت کو تابناک بناتا تھا، رسول مکرم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق اور غیرت تھا...... اس پر مستزاد یہ کہ نڈر، بے خوف اور حق کہنے میں بے باک بھی تھا...... میدانِ عزیمت واستقامت کا شہسوار تھا...... مصلحتیں اس کے راستے میں آنے سے کتراتی تھیں...... آیات واحادیث اس کے منہ سے یوں بیان ہوتیں گویا نور کے پھوٹتے فوارے یا پھر کسی جھرنے کا بہتا پانی...... وہ اقبال کے نورِ بصیرت کا امیں تھا...... اقبال کے اشعار کا برمحل استعمال اس کے سحر انگیز خطابات میں مزید بجلیاں بھر دیتا تھا...... اس کی زندگی کی پچاس بہاریں قَالَ اللّٰہ (تبارک وتعالیٰ) اور قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کی خوبصورت صدائیں دیتے گذریں تو حیاتِ مستعار کے آخری چار درخشندہ سال لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کے نعروں سے اطراف واکناف میں گونج ڈالتے۔

جی ہاں! ہمارے مذکورو ممدوح ہیں، سرمایۂ اسلام شیخ الحدیث حضرت علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ۔ بیگانوں کو ان سے کئی اختلافات تھے اور کچھ اپنوں کو متعدد تحفظات، لیکن اس میں کوئی دو آراء نہیں کہ جب تحفظِ ختمِ نبوّت اور تحفظِ ناموسِ رسالت سے متعلق قوانین کے ساتھ حکومتیں چھیڑ چھاڑ کا ارادہ کر چکی تھیں، ان کی للکار، ہیبت اور دھرنوں نے انہیں اس کام سے باز رکھا۔ جب دیگر مکاتبِ فکر کے علماء اپنے ایمان اور غیرت کو مکمل طور پر خیر باد کہہ چکے تھے اور کتنے ہی ہمارے اپنے علماء اور پیر حضرات مصلحتوں کا شکار تھے، اس ۲۱ ویں صدی عیسوی کے ایمان سوز اور گمراہ کن ماحول میں

روحِ جامی، جذبۂ سعدی، کیفِ اقبالی، پیچ وتابِ رازی اور سوزِ جامی لیے وہ منظرِ عام پر آئے، خوابیدہ وغافل قوم کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذانوں سے جگایا اور پھر اچانک راہیٔ ملکِ عدم ہو گئے۔ ہم انہیں شہید سمجھتے ہیں کیونکہ بیماری کی حالت میں ناموسِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے تحفظ کے مشن پر فیض آباد دھرنے کے دوران ان کی حالت بگڑی جو بالآخران کی شہادت پر منتج ہوئی۔ خدا رحمت کنند ایں عاشقانِ پاکباز۔

اُن کا کہنا تھا کہ 'لوگو! غلامیٔ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) میں آجاؤ۔ بہانے بازیاں چھوڑ دو۔ جب حرمتِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) پر حرف آئے تو کھڑے ہو جاؤ۔ ہم مذہب کے ٹھیکیدار نہیں لیکن پہریدار ضرور ہیں'۔ علامہ صاحب نے بہت عزت کمائی، کیونکہ وہ ان صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے در کے فقیر بن چکے تھے جن کو رب نے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ کہہ کر تمام تر عزتوں اور رتبوں کا مالک بنایا تھا۔ واللہ باللہ تاللہ! آپ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں، سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے لیکر ممتاز قادری شہید علیہ الرحمہ تک جو بھی معزز ہوا ہے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا کرنے کی وجہ ہی سے ہوا ہے۔ تاریخ کے اوراق میں محفوظ لاتعداد واقعات میں سے صرف ایک واقعہ۔ وقت کا حکمران ہشام بن عبدالملک طوافِ بیت اللہ کے دوران حجرِ اسود کو بوسہ دینا چاہتا ہے۔ ہجوم اتنا ہے کہ نہیں دے سکتا۔ پھر ایک شخص آتا ہے اور بے پناہ ہجوم اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ یہ نواسۂ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ورضی اللہ عنہ) کے فرزند سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ ہیں۔ جس نام سے نسبت ہے، اور جن کے نام کی ناموس کے تحفظ کی خاطر ان کی زندگی گذری ہے، وہ نام ہر کام بناتا ہے، ہر عزت کا مستحق ٹھیراتا ہے۔

توقیر جس نے کی ہے خدا کے حبیب ﷺ کی

مولیٰ نے اس کو جنتِ اعلیٰ نصیب کی

یہ فقیرِ بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جس کا جسم بھی پورا نہیں تھا، دنیا میں خالی ہاتھ رہا، مگر جاتے ہوئے اس کے پاس بہت قیمتی زادِ راہ تھا۔ یقیناً رب تعالیٰ ان کے عظیم کام پر انہیں بہترین اجر عطا کرے گا، لیکن دنیا میں بھی اللہ نے جو عزت دی اس کا اندازہ ان کے تاریخ ساز جنازہ سے ہوتا ہے۔ ممتاز دانشور اور تجزیہ نگار اوریا مقبول جان کے محتاط اندازے کے مطابق ۳۰ لاکھ لوگ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ (اگرچہ زیادہ تعداد بتانے والے بھی ہیں)۔ علامہ صاحب کے تاریخی جنازے نے تمام عالمِ کفر بشمول ملحدین، لبرلز اور مغرب نواز میڈیا کو یہ واضح پیغام دیا کہ یہ پاک وطن توحید کے علمبرداروں، جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پرستانوں اور ناموسِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے پہریداروں کی سرزمین ہے۔ اسے لا الٰہ الا اللہ کے نعرے سے حاصل کر کے محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) کے دستور پر چلانے کا عزم ظاہر کیا گیا تھا اور ان شاء اللہ یہی دستور یہاں نافذ ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اللہ تعالیٰ علامہ خادم حسین رضوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مساعیٔ جلیلہ کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ اور ان کے صاحبزادگان اور تربیت یافتگان کو ان کے عظیم مشن سے وفا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

جو دینِ متیں پہ نثار ہو گیا

تو شاد اس پہ پروردگار ہو گیا

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی..... ذریعہ نجات

حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملت کو متحد و منظم کرنا اور رکھنا اسلام کے فروغ و استحکام کے لئے از بس ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ساری ملت ایک ہی قسم کے عقائد پر متفق ہو۔ اگر کسی گروہ کا نظام فکر کچھ ہو اور دوسرے کا کچھ اور، تو یہی تفریق و انتشار کی بنیاد ہے۔ اس کی موجودگی میں اتحاد ملت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ جل مجدہ نے مسلمانوں کو اس افتراق سے بچنے کی نہایت پرزور تاکید فرمائی ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (آل عمران۔۱۰۳)

ترجمہ: اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔

ہاں ہاں ایک ملت کا ایک ہی نظام عقائد نہ ہوگا تو اس میں اتفاق اور جمعیت کی شان کیونکر پیدا ہوگی۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسا عقیدہ اپنایا جائے جس کے بارے میں یقین ہو کہ اللہ اور اس کے رسول مکرم و معظم ﷺ کا پسندیدہ ہے اور اسی کو اپنانے میں ان کی رضا ہے (جل وعلا فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیونکہ ہر گروہ اپنے عقیدے کو ہی حق سمجھتا ہے اور اس کو اپنانے کی دعوت دے گا۔ قرآن پاک میں ہے

کل حزب بما لدیھم فرحون ٥ (المومنون۔۵۳)

ترجمہ: ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے

جب ہر گروہ اپنے عقیدے کو برحق سمجھے گا تو ظاہر ہے اسے چھوڑ کر کسی دوسری راہ پر چلنا اسے گوارا نہ ہوگا اور یوں انتشار کا دروازہ بند ہونے کی بجائے اور زیادہ کھلتا جائے گا۔ ہاں جب سب کو اسلام کا دعویٰ ہے اور سب قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضور سیدنا محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو اللہ جل شانہ کا رسول مانتے ہیں۔ تو اس میں حتمی فیصلہ وہی ہوگا جو اللہ اور اس کا مقدس و محبوب رسول ﷺ فرمائے۔ قرآن پاک نے صاف صاف اعلان فرمایا ہے کہ فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ کو ہے اور پھر اس کے فضل سے اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہٗ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ رسول کچھ حکم فرما دیں تو انھیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعے میں فرمایا۔

ان الحکم الا اللہ (یوسف۔۶۷) ترجمہ: حکم تو سب اللہ ہی کا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا

فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ٥ (النساء۔۶۵)

ترجمہ: تو اے محبوب تمھارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں،

پھر جو کچھ تم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ فیصلہ وہی ہے جو خالق کائنات یا پھر سرور کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات ارشاد فرمائیں اور ایمان کے مدعی کسی مرد یا عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے حبیب مکرم و معظم ﷺ کے فیصلے کے مقابلے میں اپنے فیصلے، اپنی عقل، اپنی سوچ، اپنی آرزو اور اپنی مراد کو کچھ بھی اہمیت دے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کا قاضی، مفتی، محدث، فقیہ، شیخ الاسلام، شیخ القرآن، پیر طریقت، حامی سنت، ماحی بدعت کہلانا تو ایک طرف، اسے مومن کہلانے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔ خدا اور رسول (جل وعلا فصلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کے فیصلے کے خلاف ڈٹ جانے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا۔ اب سنئے اللہ اور اس کے حبیب کریم و عظیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا فیصلہ جو عقائد کی صحت وحقانیت کے معیار کا اعلان کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

فان امنو ا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا (البقرہ:۱۳۷)

ترجمہ: پھر اگر وہ بھی یونہی ایمان لائے جیسا تم لائے جب تو وہ ہدایت پا گئے

یعنی اے میرے نبی مکرم (ﷺ) کے اصحاب معظم، اگر یہ اہل کتاب یا مشرکین اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو وہ ہدایت پا گئے۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد کے ساتھ جس کے عقائد ملتے ہوں، وہ راہ راست پر ہے اور جس بدنصیب کے عقائد ان کے عقائد کے برخلاف ہوں، وہ ہدایت سے دور اور گمراہ ہے۔

یہ تھا اللہ جل شانہ کا فیصلہ، اب سنئے اس کے رسول مکرم ﷺ کا فیصلہ۔

والذی نفس محمد بیده لتفترقن امتی علیٰ ثلاث و سبعین فرقة فواحدة فی الجنة و ثنتان و سبعون فی النار قیل یا رسول الله من هم قال الجماعة

ترجمہ: اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، میری امت تہتر فرقوں پر منقسم ہوگی ان میں سے ایک جنتی، بہتر دوزخی ہوں گے۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! وہ جنتی کون ہوں گے۔ فرمایا جو جماعت کو پکڑے رہیں گے

(ابن ماجہ۔ جلد دوم۔ ابواب الفتن)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مبارک میں ایک اور گروہ بھی مدینہ منورہ اور اس کے گرد ونواح میں موجود تھا۔ جو زبان سے کلمہ شہادت بھی پڑھتا، نماز روزے کا التزام بھی کرتا مگر انہیں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں شامل نہیں کیا گیا بلکہ کتاب وسنت نے انہیں منافق فرمایا۔ سورۃ البقرہ بلکہ بہت سی سورتوں میں ان کا ذکر آیا بلکہ ایک مکمل سورت 'المنافقون' نامی تو انہیں کے طرز فکر وعمل کے بیان پر مشتمل ہے یہ لوگ وہ تھے جو از راہ مصلحت مسلمانوں میں مسلمان کہلاتے تھے ورنہ ان کی فطرت بری طرح مسخ ہو چکی تھی اور نیک و بد اور حق و باطل کے امتیاز سے بالکل عاری ہو چکے تھے۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم عشق رسول ﷺ کے نشے میں چور تھے۔ اسی طرح اس کے برعکس منافق بغض رسول ﷺ کے 'بحر ظلمات' میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان کی فطرت ایسی اندھی اور اوندھی ہو چکی تھی کہ وہ حق دیکھنے اور حق قبول کرنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو چکے تھے۔

صم بكم عمی فهم لا یرجعون o (البقرہ:۱۸)

ترجمہ: بہرے گونگے اندھے تو وہ پھر آنے والے نہیں۔

حضور پرنور ﷺ کی ذات اقدس میں انہیں کوئی بھی خوبی (معاذ اللہ) نظر نہیں آتی تھی۔ سچ اگر پوچھتے ہو تو ان کی فطرت ابوجہل

اور ابولہب سے بھی تاریک تر تھی۔ اس لئے کہ وہ حضور پرنور ﷺ کی عظمت اخلاق کا اقرار تو کرتے ہی تھے اور کفار مکہ متفقہ طور پر حضور ﷺ کو 'الصادق' اور 'الامین' کہا کرتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ ہرقل شاہ روم کے دربار میں جناب ابوسفیان نے کافر ہوتے ہوئے بھی حضور پر نور ﷺ کے بارے میں پوچھے گئے تمام سوالات کے جوابات طوعاً او کرھاً مثبت دیئے، اگر وہاں ان کی جگہ کوئی منافق ہوتا تو شاید ایسے جواب نہ دیتا کیونکہ 'بغض رسول ﷺ اسے کافر ہی نہیں 'کافر اکبر' بنا چکا ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آخرت میں سب سے سخت عذاب کافر کو نہیں بلکہ منافقوں کو ہوگا حالانکہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے اور روزہ بھی رکھتا ہے۔ گویا بغض رسول ﷺ کی وجہ سے اس کی کوئی نیکی بھی نیکی نہیں رہتی۔ وہ حضور پرنور ﷺ کے ایسے اوصاف کریمہ اور اخلاق حسنہ جو اظہر من الشمس تھے کے اقرار سے بھی روگرداں تھے۔ چونکہ ان کا 'طرز عمل' منافقت کی بنیاد پر تھا اور محض ریاکاری کے طور پر تھا، لہٰذا اس کی کیا حیثیت ہوتی۔ رہ گیا طرز فکر تو اس کو بغض نے بے نور کر دیا تھا لہٰذا کمالات رسول ﷺ انھیں کیا نظر آتے۔ چنانچہ انھیں ایمان کے تقاضے کے مطابق حضور پرنور ﷺ جان و مال سے پیارے تھے اور نہ وہ حضور کے معجزات سے کچھ متاثر ہوتے تھے۔ سچ فرمایا حضرت مولائے روم رحمۃ القیوم نے

موجب ایماں نباشد معجزات بوئے جنسیت کند جذب صفات

ترجمہ: ایمان کا (اصل) سبب معجزات نہیں ہوئے مگر (ایمانی فطرت میں) ہم جنس ہونے کی وجہ سے جذب صفات پیدا ہوتا ہے (گویا انسان کی فطرت میں عدل و شعور کا ایک نور ہوتا ہے جس سے اسے ایمان لانا ممکن ہو جاتا ہے)

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ عشق رسول (ﷺ) کی دولت ابد قرار سے مالا مال تھے تو وہ اللہ تعالیٰ پر اس کی جمیع صفات کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور حضور پرنور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے تمام خداداد کمالات کے ساتھ مانتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے تھے اور اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اس کی شان یکتائی کا مظہر یکتا سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ اللہ جل مجدہ رؤف و رحیم، عزیز و عظیم، شہید و کریم اور خبیر و علیم ہے تو اس کے فضل سے، اس کے حبیب لبیب علیہ التحیۃ والثناء بھی اپنی شان کے لائق رؤف و رحیم، عزیز و عظیم، شہید و کریم اور خبیر و علیم ہیں۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے۔ مشکل کا بھی اور مشکلکشا کا بھی، حاجت کا بھی اور حاجت روا کا بھی، درد کا بھی اور دوا کا بھی، مرض کا بھی اور شفا کا بھی۔ پھر اس کے فضل سے اس کے محبوب یکتا ﷺ ہیں جنہیں اس نے ہر مشکلکشا کا مشکلکشا، ہر حاجت روا کا حاجت روا، ہر مسیحا کا مسیحا اور ہر غمزدا کا غمزدا بنایا۔ ہاں اللہ کریم کا حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہر داتا کا داتا، ہر گنج بخش کا گنج بخش، ہر غریب نواز کا غریب نواز ہر سخی کا سخی، ہر غنی کا غنی، ہر شہنشاہ کا شہنشاہ ہے۔ (جل جلالہ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم) اللہ اکبر، سیدنا عبداللہ (رضی اللہ عنہ) اور سیدہ آمنہ (رضی اللہ عنہا) کا نور نظر نبی ہے تو خاتم الانبیاء ہے۔ رسول ہے تو افضل الرسل ہے، مطلوب ہے تو اللہ کا مطلوب ہے، مقصود ہے تو کائنات کا مقصود ہے، سرور ہے تو سرور دارین ہے، مالک ہے تو مالک کونین ہے، مہبط ہے تو مہبط قرآن ہے، ممکن ہے تو باعث امکان ہے۔ ایمان اس کو ماننا، عرفان اسے پہچاننا، فرشتے اس کے سلامی، جبریل علیہ السلام اس کا پیامی۔ انسانیت کا سب سے بڑا پاسبان، قلب و فطرت کا سب سے بڑا رازدان، انسانی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار، اقلیم فکر و نظر کا سب سے بڑا تاجدار ﷺ کون ہے جسے اس کریم کے لطف و عطا کا، اس رحیم کے فضل و سخا کا، اس حسین کے حسن ادا کا، اس جمیل کے جمال حق نما کا انکار ہو سکے ﷺ سوا اس کے جو دل کا اندھا ہے، فطرت کا اوندھا ہے، باطل کا پرستار ہے جھوٹ کا خریدار ہے۔ اس کا انکار حیرت انگیز نہیں۔ ہاں ہوتا تو اس کا اقرار تعجب خیز ہوتا۔)

مختصر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یعنی شمع رسالت کے سچے پروانے حضور پرنور ﷺ کی بارگاہ عرش پناہ میں فریاد و التجا بھی کرتے تھے

اور یوں اپنا دامن طلب بھی گوہر مراد سے بھرتے تھے۔ نہ تو وہ حضور پر نور ﷺ کے علم غیب کے منکر تھے اور نہ حاضر و ناظر ہونے کے ادھر وہ حضور ﷺ کو دنیا کا تاجدار سمجھتے تھے تو ادھر شفیع روز شمار مانتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خدا کے سارے خزانوں کی چابیاں اسی محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے دست مبارک میں ہیں اور دین و دنیا کی ہر نعمت و دولت کے قاسم و خازن حضور والا ہی ہیں (ﷺ) انھیں یقین تھا کہ خدا جو کچھ بھی دیتا ہے، حضور ﷺ کے وسیلے سے دیتا ہے اور حضور اقدس ﷺ جو کچھ بھی عنایت فرماتے ہیں، اسی کے فضل سے عنایت فرماتے ہیں۔ نبوت معاذ اللہ الوہیت کی ضد یا اس سے ہمسری کا دعویٰ نہیں بلکہ اس کی مظہریت کا نام ہے۔ ہر نبی علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں اپنی امت کا وسیلہ ہوتا ہے اور یہ نبی الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں جو ہر نبی اور ہر امت، ہر جن و بشر اور ہر حور و ملک کا وسیلہ ہیں۔ لہذا ان سے انھیں وسیلہ سمجھ کر مانگنا گویا اللہ ہی سے مانگنا ہے (کہ یہ اس کے نمائندے ہیں) اور ان کا اللہ کے نائب کی حیثیت سے کچھ دینا گویا اللہ ہی کا دینا ہے۔ یہ وہ واضح اور تابناک حقیقت ہے کہ ہر مسلم و کافر اسے سمجھتا ہے، ہاں منافق نہیں سمجھتا کیونکہ وہ سراپا بغض و کدورت ہے۔ مسلمان اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے مانگتا ہے تو کبھی کسی بت پرست نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہمیں بتوں سے مانگنے سے روکتے ہو، تم نبیوں سے کیوں مانگتے ہو۔ وہ جانتا ہے بت پرست بت سے مانگتا ہے تو اسے خدا اور معبود سمجھ کر مانگتا ہے۔ بندہ مومن نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے مانگتا ہے تو اسے اللہ کا بندہ و رسول سمجھتا ہے۔ لہذا نبی سے مانگنا تو ضرور خدا ہی سے مانگنا ہے مگر بت سے مانگنا خدا سے مانگنے کے مترادف نہیں۔ ہم رات دن اللہ کے عام بندوں سے عام ضرورت کی چیز مانگتے ہیں تو کسی کو اعتراض نہیں ہوتا، اگر اللہ کے خاص بندوں سے خاص و عام چیزیں مانگیں تو پھر کسی کو کیوں تکلیف ہو۔ ہاں ہاں خدا سب کچھ دیتا ہے اور اس سے سب کچھ مانگتے ہیں، اور اس مانگنے کی ایک صورت تو یہی ہے کہ اے اللہ اپنے نبی علیہ السلام کے صدقے سے (بلکہ فلاں ولی کے صدقے سے) یہ عطا فرما، وہ عطا فرما اور اسی مانگنے کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ یا رسول اللہ علیک الصلوۃ والسلام ہمیں فلاں چیز عطا فرمایئے۔ ہاں جب ہم نے رسول اللہ مانا تو گویا انھیں وسیلہ مانا ہے اللہ نہیں مانا اور سب اہل عقل و ایمان جانتے ہیں کہ اللہ اللہ ہے اور رسول اللہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نہیں۔ مگر وہ لوگ جنہیں اللہ کے انبیاء و رسل (علیہم السلام) سے شیطان واسطے کا بیر ہے۔ وہ نبی یا ولی کا نام سنتے ہی آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ کیوں نہ ہو آگ ہی تو ان کی منتظر ہے، آگ ہی تو ان کا مستقر ہے، آگ ہی کے لئے تو وہ پیدا ہوئے ہیں۔

دیکھو قرآن پاک کے الفاظ میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے خدا کی بارگاہ دعا سے بھی کراتے ہیں اور خود ان کی بارگاہ سے مانگتے بھی ہیں۔ (یہ دوسری منزل ہے)

پہلی منزل یہ ہے موسیٰ علیہ السلام سے قوم نے پانی مانگا

یونہی موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا ایک اور واقعہ بھی قرآن مقدس میں مذکور ہے اور وہ ہے فرعون اور اس کی قوم پر مختلف عذابوں کا بار بار آنا۔ جب بھی کوئی عذاب (مثلاً مینڈکوں کا، جوؤں وغیرہ کا) آتا تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قرآن پاک کے مطابق ان الفاظ میں وعدہ کرتا۔

لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لک و لنرسلن معک بنی اسرائیل o (الاعراف۔۱۳۴)

ترجمہ: بیشک تم ہم پر سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔

دیکھیں صاف و صریح انداز میں موسیٰ علیہ السلام کو مشکلکشا، کہہ رہا ہے اور وہ بھی فرعون جیسا خدائی کا جھوٹا مدعی اگر اس طرح نبی کو مشکلکشا کہنا 'شرک' ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام ہی اسے سرزنش کرتے اور اپنے معروف 'جلال' کا مظاہرہ فرماتے مگر انھوں نے اسے قطعاً توحید

کے خلاف نہ سمجھا۔ پھر اگر موسیٰ علیہ السلام نے اسے 'توحید' کے خلاف نہیں سمجھا تو خداوند کریم ہی اپنے نبی پر معاذ اللہ عتاب فرماتا کہ تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے 'مشکلکشا' بنا کر نہیں بھیجا، اے موسیٰ تم تو چھوٹی سے چھوٹی کوتاہی کے تصور پر بھی برہم ہو جاتے ہو حتیٰ کہ اپنے برادر بزرگ کو بھی میری غیرت کی بنا پر معاف نہیں کرتے، فرعون کے بارے میں کیوں خاموش رہے اور کیوں نہ اسے سمجھا دیا کہ نبی سے ایسا بے تکا سوال عظمت توحید کے خلاف ہے اور داخل شرک، لہذا اب تو عذاب اٹھانے کی بجائے اس میں مزید شدت ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ نہیں، اسی معبود واحد نے خود اپنے محبوب رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے والے سے عذاب اٹھالیا (یہ بھی جانتے ہوئے کہ اس نے ایمان لانے کا جھوٹا وعدہ کیا ہے)

دوستو! غور کیجئے، دنیا کا کوئی بادشاہ، صدر، گورنر کسی کو اپنا نائب بناتا ہے تو اس کے لائق اسے اختیارات بھی عطا فرماتا ہے۔ کیا کبھی بادشاہ کے کسی نائب کو اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر کسی نے کہا ہے کہ یہ بھی بادشاہ ہے، یا صدر کے نائب کو صدر اور گورنر کے نائب کو گورنر کہا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں تو اللہ کے نائب کو 'اللہ' وہی سمجھ سکتا ہے جو عقل سے بالکل پیدل ہو اور جب کوئی نہیں سمجھتا تو نائب کو اللہ سمجھنے کا خطرہ بھی اسی کو محسوس ہوگا جو عقل سے بھی اور دین سے بھی محروم ہے۔ ہاں ہاں بادشاہ کا نمائندہ اپنے عہدے کے لائق اختیارات نہ رکھتا ہو تو یہ اسی کی توہین نہیں، اسے نائب بنانے والے کی بھی توہین ہے۔ یونہی اللہ کا کوئی نبی اپنے حسب حال پیغمبرانہ تصرفات، اختیارات نہ رکھتا ہو تو یہ اسی کی نہیں، اس کے بھیجنے والے اللہ کی بھی توہین ہے۔ سچ مانئے اللہ کا نبی جو اپنی امت کی طرف اللہ کا نمائندہ بنا کر بھیجا گیا ہے، دوسروں کی طرح بے بس ہو، بے علم ہو، بے اختیار ہو تو اللہ جل مجدہ کی ذات وصفات کی کیا نمائندگی کرے گا۔ بلاشبہ اللہ قادر مطلق ہے تو اس کی قدرت مطلقہ کے جلوے ذات نبی (علیہ السلام) میں دکھائے جانے چاہئیں، اللہ علیم ہے تو نبی علیہ السلام کا علم ہر غیر نبی سے اوسع واعلیٰ ہونا چاہئے اور کسی غیر نبی کو کسی علم کے کسی شعبے میں بھی اس پر برتری نہیں ہونی چاہئے۔ اللہ کریم شافی ہے تو امت کے لئے تو شفا بخشی کا مرکز نبی علیہ السلام کی ذات والا صفات کو ہونا چاہئے۔ بے شک اللہ زمین وآسمان کے تمام مغیبات کو خود جانتا ہے (گویا اس کا علم ذاتی ہے) اللہ کا نبی غیب جانتا ہے تو اسی کے فضل سے جانتا ہے کہ یہ عطائی ہے یعنی اللہ کی عطا سے) یونہی اللہ کی قدرت کاملہ ذاتی ہے مگر اس کا ظہور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام سے ہوتا ہے (اور پھر اولیائے عظام سے) اللہ مشکلکشا ہے (مگر ذاتی طور پر ہے) مخلوق میں سے کوئی مشکلکشا ہے تو اس کے فضل وقدرت سے ہے (یعنی عطائی ہے)۔ اب اگر کوئی کہے اللہ نے مجھے بچالیا (تو حق ہے مگر بچانے کی نسبت اللہ جل مجدہ کی طرف ذاتی ہے) اور کوئی کہے میرے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے بچالیا (تو یہ بھی حق ہے مگر یہ نسبت عطائی ہوگی) 'ذاتی' اور 'عطائی' کو یکساں سمجھنا پرلے درجے کی حماقت اور بدبختی وشقاوت ہے۔ اگر یہ فرق مٹا دیجئے تو فرق مٹانے والے کو جینے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ بھی زندہ ہے اور بندہ بھی زندہ ہے۔

یہ بات تقریباً ربع صدی پہلے کی ہے' میں جناح اسلامیہ کالج میں شرک وتوحید کے موضوع پر لیکچر دے رہا تھا تو ایک نوجوان (جو غیر مقلدین کی مسجد کا خطیب بھی تھا) طلبہ میں شامل تھا۔ میں نے جب یہ کہا نہ اللہ کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کی صفات میں نہ اس کے اسماء میں نہ اس کے افعال میں نہ اس کے اوامر میں۔

تو وہ خطیب اٹھا اور بولا بالکل ٹھیک ہے۔ واقعی اس کی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں، چنانچہ بعض لوگ جو حضرت علی کو مشکلکشا کہہ دیتے ہیں، مشرک ہیں۔ میں نے کہا 'تم بھی سنتے ہو اور اللہ بھی سنتا ہے، یہ بھی شرک ہو گیا لہذا شرک سے بچنے کے لئے اپنے کانوں میں پگھلایا ہوا سیسہ ڈلوالیں تا کہ تم سننے سے بچ کر شرک سے محفوظ ہو جاؤ۔ پھر میں نے کہا تم بھی دیکھتے ہو اور اللہ بھی دیکھتا ہے تو گویا یہ بھی

تمہارے بقول شرک فی الصفات ہوا، لہذا کوئی گرم سلائی آنکھوں میں پھیر لو اور اندھے ہو کر شرک سے بچ جاؤ۔ پھر کہا اور سب چھوڑ و اللہ زندہ ہے اور تم بھی زندہ ہو، اس کی زندگی سے نجات حاصل کر لو ورنہ جب تک زندہ رہو گے، شرک سے نجات نہیں ملے گی۔ میں نے کہا مشکلکشا تو قرآن میں وارد ہی نہیں بلکہ عربی کا لفظ ہی نہیں، اللہ سمیع ، بصیر اور حیی (زندہ) یہ سب صفات قرآن پاک میں اللہ سے منسوب ہیں لہذا ان کا بندوبست کر لو۔

ہاں جنھیں مشکلکشا کہتے ہوئے شرک سوجھتا ہے، ان کا نام نامی اسم گرامی تو 'علی' (کرم اللہ وجہہ الکریم) ہے اور علی اللہ نے آیۃ الکرسی میں اپنے لئے اختیار فرمایا ہے۔ لہذا وہ لفظ مشکلکشا جس کے بارے میں کتاب وسنت میں کہیں تصریح نہیں آئی کہ یہ اللہ کا وصف جمیل یا اسم صفاتی ہے (کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ عربی کا نہیں فارسی کا لفظ ہے) ہاں علی کے بارے میں تو صراحت ہے کہ قرآن پاک میں اللہ جل شانہ کے لئے آیا ہے لہذا تمہیں کہنا چاہئے تھا کہ انھیں علی نہیں کہنا چاہئے کہ یہ شرک ہے اور پھر تم دیکھتے کہ تمہارے فتویٰ شرک کی زد میں کون آتا ہے' سارے اصحاب رسول رضی اللہ عنہم، سب اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم، سب تابعین رضی اللہ عنہم، سب تبع تابعین رحمتہ اللہ علیہم سارے ائمہ مجتہدین، سارے مجددین، بلکہ ساری امت۔ اور یہی نہیں تمہارا ناپاک فتویٰ شرک تو امت والی ﷺ تک جا پہنچتا ہے کہ بے شمار مواقع پر انھوں نے انھیں علی بلکہ بلاتے ہوئے 'یاعلی' بھی فرمایا بلکہ نام مبارک بھی اپنی زبان مبارک سے رکھا۔ یقیناً اس طرح شرک کی دلدل سے خود انھیں نکلنا ناممکن ہے جو محض لفظی اشتراک کی بنا پر مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگا کر خود کا فرو مشرک بن جاتے ہیں۔ ہاں ہاں ان کی بھدی زبان میں ان کے ناپاک خیال کے مطابق اگر کسی کو دانائے غیوب سمجھنا شرک ہے کہ دانائے غیوب صرف اللہ ہے، یا کسی اور کو مدد گار جاننا شرک ہے کہ مددگار ایک اللہ ہے اور کسی کو مشکلکشا و حاجت روا گردانا اس لئے شرک ہے کہ کسی مفہوم میں بھی انھیں کسی اور کی طرف نسبت دینا توحید کے منافی ہے تو کسی اور کو سمیع (سننے والا) 'بصیر (دیکھنے والا) اور حیی (زندہ) کہنا کیوں شرک نہیں ہوگا، جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی رو سے سمیع، بصیر اور حیی ہے۔ پھر غضب یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ قرآن پاک میں ہے تو کیا منکرین کے نزدیک قرآن پاک توحید سکھاتا ہے یا شرک؟ شارح کلام اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب موجودہ اصطلاح میں سنی بریلوی نہیں تھے' پھر بھی انھوں نے شرح ارمغان حجاز میں لکھا ہے کہ 'میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو جہاں مسجد نبوی کے ستونوں پر حضور پر نور ﷺ کے اسماء گرامی لکھے ہوئے تھے تو بغور دیکھنے سے معلوم ہوا رؤف و رحیم جیسے دو مبارک ناموں کو کریدنے اور مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پوچھنے پر نجد کے کارندوں نے بتایا ہاں انھیں مٹایا جا رہا ہے کیونکہ ان سے شرک کی بو آتی ہے۔ میں نے کہا' پھر قرآن پاک سے بھی نکال دو کیونکہ یہ دو نام قرآن پاک میں بھی حضور پر نور ﷺ کے لئے وارد ہوئے ہیں' (واقعہ یہی ہے مگر الفاظ یہ نہیں کیونکہ گھر سے دور راولپنڈی میں ڈاکٹر صاحب کے پاس چیک اپ کرانے آیا ہوں اور اپنے کتب خانے سے استفادہ اس وقت ناممکن ہے...... آسی)

میرے دوستو! انصاف کیجئے' ہم زیادہ سے زیادہ قرآن پاک ہی سے استدلال کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں یار لوگوں کا 'توحید و شرک' تک کے عقیدے میں اس کتاب مجید پر بھی اعتماد نہیں تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ واللہ! انھیں قرآن مجید پر یا حدیث رسول ﷺ پر ایمان اسی حد تک ہے جو عبداللہ بن ابی نے اپنے 'اصحاب' کے لئے مقرر کر دی ہے۔ اگر ان پر سچا ایمان اور کامل اعتماد ہو تو قرآن پاک ہی سے سارے فیصلے ہو سکتے ہیں کہ یہ اللہ کا قول فیصل اور کتاب مبین ہے۔ بالیقین اللہ سمیع ہے اور بعض مخلوق بھی سمیع ہے، اللہ بصیر ہے تو بعض مخلوق بھی بصیر ہے اور اللہ حیی (زندہ) ہے تو بعض مخلوق بھی 'حیّ' ہے مگر شرک نہیں کیونکہ اللہ کا سننا، دیکھنا اور زندہ ہونا ذاتی ہے، مخلوق کا ان صفات سے متصف ہونا عطائی ہے۔ اللہ کی صفات اس کی ذات کی طرح قدیم ہیں، مخلوق کی صفات اس کی ذات کی طرح حادث ہیں، اللہ کی صفات اس

کی ذات پاک کی طرح واجب ہیں اور مخلوق کی ممکن ہیں، پھر اللہ کی یہ صفات لامحدود ہیں اور مخلوق کی یہ صفات زیادہ سے زیادہ بھی ہوں تو بھی اس کی صفات مستقلہ کے سامنے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اسی بنا پر اللہ کا حاجت روا و مشکلکشا اور دانائے غیوب ہونا ذاتی 'واجب' مستقل، قدیم ازلی وابدی ولا متناہی (غیر محدود) ہے اور مخلوق کا حاجت روا و مشکلکشا ہونا عطائی، ممکن، غیر مستقل، حادث اور متناہی (محدود) ہے لہذا اس عقیدے سے کسی کو بھی زندہ، حاجت روا، مشکلکشا، دانائے غیوب، رحیم وکریم، اور ولی ونصیر، ماننا شرک نہیں بلکہ عقیدہ توحید خداوندی کے ثمرات ہیں۔ یعنی جو سچے دل سے اللہ کو قادر مطلق مانتا ہے تو اسے اس ماننے کی بدولت قدرت کاملہ کا مظہر ہونا چاہئے اور اپنی قوت وطاقت کے اعتبار سے دوسروں سے بہت نمایاں ہونا چاہئے۔ حضرت اقبال نے اسی بنا پر فرمایا تھا

زندہ قوت بھی توحید تھی دنیا میں کبھی
اب کیا ہے ، فقط اک مسئلۂ علم کلام
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا !
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
خدائے وحدہ کا دست قدرت تو ، زبان تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

حقیقت ہے کہ اسلام کی 'توحید' دنیا کی سب سے بڑی قوت ہے جو بندہ مومن کو خدا کی صفات کا مظہر بنا دیتی ہے مگر یہ عشق رسول سے حاصل ہوتی ہے، وہابی ونجدی لوگوں نے عشق رسول کی بجائے بغض رسول کا راستہ اپنایا لہذا دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ انھیں خدا سے تعلق جوڑنے کے لئے بھی نبی کا وسیلہ وواسطہ 'بوجھ' دکھائی دیتا تھا لہذا بیچارے سیدھے راستے کی بجائے کسی تاریک پگڈنڈی پر پڑ گئے اور اس میں کہیں گم ہو گئے کہ ع 'نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم' واقعی غرور وتکبر اور بغض وحسد نے انھیں کہیں کا نہ چھوڑا، وہ مقدس ہستیاں جنھیں اللہ ارحم الراحمین نے محض اپنی رحمت سے امت کے لئے وسیلہ بنایا، انھیں امت کا دادرس وفریادرس، حاجت روا ومشکلکشا بنایا، انھیں ان سب سے بیر ہے۔ روحانی سلطنت میں جو حزب اقتدار میں ہیں کہ اللہ قادر مطلق نے انھیں ان کے مخصوص مرتبے کے مطابق اپنی خلافت ونیابت سے نوازا، ان کو ان سب سے بیر ہے لہذا انھوں نے شیطان ملعون کی سرکردگی میں حزب اختلاف سے اپنی وفاداری وابستہ رکھی۔ حزب اقتدار میں اللہ کے پاک رسول، نبی، صدیقین، شہدا، صالحین، اغواث، اوتاد، ابدال واقطاب ہیں تو حزب اختلاف میں شیطان کے ساتھ وہ سب شیطان زادے شامل ہیں جنھوں نے ہر دور میں انبیاء علیہم السلام واولیاء علیہم الرحمۃ سے مقابلہ کیا اور مکاری وعیاری سے لوگوں کو ان کے در دولت سے دور کرتے رہے۔ لہذا منافق قرآن پاک کی بات کرتے ہیں تو ایمان کی بنا پر نہیں بلکہ جس طرح ہندو عیسائی حجۃ علی الخصم قائم کرنے کے لئے آیات کا حوالہ دیتے ہیں، یہ اگر 'رسالت' کی تصدیق کرتے ہیں تو دل سے نہیں محض زبان سے، یہ اگر نماز روزے کی پابندی پر زور دیتے ہیں تو بھی معاذ اللہ یہ تصور جمانے کے لئے کہ رسول ونبی علیہ الصلوۃ والسلام یا اللہ والے علیہم الرحمہ کسی کے کام نہیں آتے بلکہ اپنے اعمال ہی کام آتے ہیں۔

گویا ان کا ایمان بھی کفران ہے اور ان کی عبادت بھی شرارت داتا گنج بخش کے مزار پرانوار پر جانا تو انھیں شرک سوجھتا ہے مگر بت پرستوں کی غلامی بلکہ خود بت پرستی میں بھی انھیں کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ (حق یہ ہے کہ ہم خود بھی ایک تصویر میں 'ابوالکلام آزاد اور حسین احمد ٹانڈوی عرف مدنی کو گاندھی کی معیت میں ایک بت کے سامنے سجدہ ریز ہوتے دیکھ کر حیران ہو گئے) پاکستان دولخت ہو جائے تو مسلمانوں

کے لئے گویا قیامت کا اوران موحدین کے لئے مسرت کا دن ہوتا ہے بھارت کو کسی مسئلے میں ناکامی اور پاکستان کو کامیابی ہو تو ان کا پیچ وتاب یا بی پی بڑھ جاتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ انھوں نے شیطان کی بہت سی پریشانیاں دور کردی ہیں اور یوں اس ملعون کے بہت ہی بڑے 'مشکلکشا' ثابت ہوئے ہیں۔ کیونکہ اسلامی حلیے سے آراستہ ہوکر مسلمانوں کو اسلام سے یا پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے برگشتہ کرنا شیطان ملعون کے لئے بہت مشکل تھا، انھوں نے بڑی مہارت سے نمازیں پڑھا پڑھا کر، خطبے دے دے کر، وعظ سنا سنا کر، بستر اٹھا اٹھا کر بستی بستی جا جا کر اس کی مشکلکشائی کردی اور اس کی جو حاجت کسی اور طریقے سے برآنے والی نہیں تھی، ان کی 'حاجت روائی' سے پوری ہوگئی۔ آپ اس بات کو عجیب سمجھیں تو سمجھیں، مگر ان کے لئے عجیب نہیں بلکہ روزمرہ کا وطیرہ ہے۔ یعنی ایک شخص ان کی بھولی بھالی شکل دیکھ کر اور ان کی ابتدائی من موہنی باتیں سن کر انھیں حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کا سچا غلام سمجھ بیٹھتا ہے اور جب ان پر اس کا اعتماد بالکل پختہ اور غیر متزلزل ہوجاتا ہے تو جس ذات پاک ﷺ کی غلامی کی نسبت کو سامنے رکھ کر وہ اس 'ذات شریف' کا معتقد ہوا تھا، یہ اسی محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف دل ودماغ میں زہر بھرنے کی کوششوں میں مصروف ہوجاتا ہے۔ آپ نے 'سوچا' کیا شیطان کے لئے یہ کام آسان ہے؟ بہت مشکل۔ مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس کے نہایت مقدس لبادے سے آپ کو دھوکا ہوا ہے، اس وقت شیطان ہی اس کی شکل وصورت اور لباس میں آیا ہو۔ بہرحال شیطان ہو یا شیطان کا فرزند، دونوں 'توحید' کا نعرہ بہت لگاتے ہیں، ہاں یہ توحید قرآن والی توحید نہیں، کفران والی توحید ہے۔ مختصر یہ کہ ایک توحید تو وہ ہے جو قرآن اور صاحب قرآن ﷺ نے سکھائی اور ایک توحید وہ ہے جو نجد ودیوبند کے صنم خانوں سے برآمد ہوئی ہے۔ یہ دونوں توحیدیں ایک دوسرے کے برعکس ہیں، افسوس! آج مسلمانوں میں وہ پہلا جذبہ عشق نہیں، وہ قوت ایمان نہیں، وہ غیرت اسلام نہیں اور وہ شوق جہاد نہیں رہا جو اس امت کا کبھی طرہ امتیاز ہوا کرتا تھا، اس لئے شیطان کے سب فرزند بہت خوش ہیں اور اس کے سب ورکر نہایت سرگرم ہیں۔ اس کا شعبہ 'توحید' تو خصوصاً مدارس، جامعات، موحد تیار کرنے میں بڑی مستعدی دکھا رہا ہے۔ مگر افسوس قرآنی توحید والا، رسول اکرم واعظم ﷺ کی عظمتوں کا دم بھرنے والا، اہل بیت اطہار اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا دلدادہ، حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرضوان کا وابستہ 'عقیدت حضور شاہ لاثانی اور حضور نقش لاثانی قدس سرہما کے جلووں سے اپنی آنکھیں مستنیر کرنے والا زمانے کی گردش سے بے خبر ہے اور حالات کو درست سمت پر چلانے کے جذبے سے بے نیاز ہے۔

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے　　مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

کسی نے مرزائیوں کی طرح رشتے داری میں اسے پھنسایا، کسی نے دوستی کے لبادے میں اسے لوٹا، کسی نے شیخ القرآن اور شیخ الحدیث کے منصب پر براجمان ہوکر اسے غیرت عشق سے محروم کیا، کبھی غربت نے اس کا کچومر نکالا اور کہیں بے روزگاری نے اسے مار ڈالا گویا دشمن اسے مارتے گئے اور یہ مار کھاتا رہا، اور یہاں تک بے حس ہوگیا کہ مار سے بچنے کی تدبیر سے بھی لاتعلق ہوگیا۔

غرض یار لوگوں کی توحید قرآنی توحید سے بالکل برعکس ایک بالکل منفرد، متضاد اور خانہ ساز توحید ہے۔ انھوں نے 'شرک' کے مفہوم کو اتنا عام کردیا ہے کہ اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہتا۔ اگر ان کے تصورات ومزعومات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو توحید کی سب سے بڑی، سچی، آسمانی والہامی، ابدی وآخری کتاب قرآن مجید بھی 'شرک' آموزی سے معاذ اللہ پاک نہیں ہے۔ اس کی ایک دو مثالیں اوپر آگئی ہیں۔ (مثلاً رؤف رحیم کے جیسے مقدس ناموں میں قرآن پاک سے دور جدید کے منافقوں کا اختلافی رویہ) آپ مزید وضاحت چاہیں تو خود کسی ایسے موحد سے پوچھ دیکھیں 'کیوں؟ جناب والا' فقیر کو غنی کون کرتا ہے' وہ کہے گا 'اللہ' آپ کہہ دیں اللہ اور رسول غنی کرتے ہیں تو وہ یقیناً اسے مشرک

کہہ دے گا، اب قرآن پاک کا فیصلہ سنیں

وما نقموا الا ان اغنهم الله و رسوله من فضله (التوبہ۔۷۴)

ترجمہ: اور انھیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ و رسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

یونہی حدیث پاک میں وارد ہوا

آپ سوال کریں، مدد کون کرسکتا ہے، وہ کہے گا 'صرف اللہ' آپ فرمائیں

اللہ اور اس کے رسول بلکہ اہل ایمان بھی مددگار ہوتے ہیں تو اسے شرک سے تعبیر کرے گا۔ اب آپ قرآن پاک سے پوچھئے سو وہ فرماتا ہے۔

انما ولیکم الله و رسوله والذین امنو ا الذین یقیمون الصلوة ویو تون الزکوة وهم راکعونo(المائدہ۔۵۵)

ترجمہ: اے مسلمانو! تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔

بلکہ وہ تو اپنے نبی ﷺ کے مددگاروں کی فہرست کا اعلان یوں کرتا ہے

فان الله هو موله و جبریل وصالح المومنین و الملئکة بعد ذلک ظهیرo (التحریم:۴)

ترجمہ: بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

ہاں یہ تو بتائیے بندوں کیلئے کون کافی ہے اور قرآن پاک نے گویا اس سلسلے میں کیا وظیفہ سکھایا ہے۔

وقا لو ا حسبنا الله و نعم الو کیل o(ال عمران . ۱۷۳)

ترجمہ: اور (اہل ایمان کفار کے لشکر کی خبر سن کر) بولے اللہ ہم کو کافی ہے اور کیا اچھا کارساز آپ کہہ دیں کہ میرے لئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ کافی ہیں۔ دیکھیں شرک کس طرح سر اٹھاتا ہے۔ مگر کیا کیا جائے، قرآن پاک نے جہاں وہ وظیفہ سکھایا، وہاں یہ بھی فرمایا۔

یایها النبی حسبک الله ومن اتبعک من المومنینo(الانفال۔۶۴)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے

علم غیب کے بارے میں جہاں اللہ ذوالجلال نے یہ اعلان فرمایا

وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو ط(الانعام۔۵۹)

ترجمہ: اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی، انھیں وہی جانتا ہے۔

وہیں پر صراحت بھی فرمادی

علم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداoالا من ارتضیٰ من رسول (الجن:۲۶،۲۷)

ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے

قرآن پاک میں تضاد نہیں ہوسکتا کہ کہیں کچھ ہو اور کہیں کچھ، اس کی ہر آیت سچی، ایسی سچی کہ لاریب فیہ (جس میں شک کی گنجائش نہیں) پھر بھی بظاہر یہ متضاد مفہوم کیوں نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مفاہیم میں قطعاً تضاد نہیں۔ جہاں فرمایا اللہ ہی مددگار ہے، وہاں مراد ہے ذاتی طور پر مددگار وہی ہے اور جہاں دوسرے مددگاروں کا ذکر آیا تو دراصل ان کی مددگاری ذاتی نہیں، عطائی ہے۔ اسی طرح علم غیب اور دوسرے مسائل۔ علم غیب تو ایک طرف مطلقاً علم بھی تو ذاتی طور پر کسی اور کے لئے نہیں۔ ایک نوجوان کو بحث کرنے کا بہت شوق

تھا۔ بحث کے دوران میں نے کہا اللہ کا علم غیب ذاتی اور حضور ﷺ کا عطائی ہے۔ بولا' عطائی ہوا تو پھر وہ علم غیب نہ ہوا۔ میں نے کہا کیا تمہارے ہاں کوئی عالم نہیں جو مجھ سے بات کرتا کہنے لگا بڑے عالم ہیں میں نے پوچھا ان کا علم ذاتی ہے یا عطائی، بولا' عطائی'

میں نے کہا پھر تم نے انھیں عالم کیوں مانا۔ وہ چپ ہو گیا اور جب تک میں پائلٹ سیکنڈری سکول میں رہا، وہ چپ ہی رہا۔

اس فرق کو پہلے بھی 'توحید اور محبوبان خدا کے کمالات' میں کہیں کچھ اجمال سے بیان کیا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ کے علم کو ذاتی اور محبوبان خدا کے علم کو عطائی ماننے سے تضاد اٹھ جاتا ہے۔ ایمان بچ جاتا ہے۔ میخانہ نجد کے سرشاروں کو تضاد کے اٹھنے اور ایمان کے بچ جانے سے کوئی دلچسپی نہیں، گستاخی و بے ادبی کے سوا ان کی کوئی منزل نہیں لہذا قرآن پاک پر غور و فکر کرنے کی انھیں ضرورت نہیں۔ اعلیحضرت مجدد ملت نے یہاں یہی نکتہ کچھ تفصیل سے بیان فرمایا ہے، سنیں، لطف اندوز اور خوش ہوں گویا یہ اس ساری بحث کا خلاصہ ہے (اگر چہ زبان کچھ دقیق ہے مگر نہایت مبارک اور دل افروز اور باطل سوز ہے)

"اقول و باللہ التوفیق ۔نسبت و اسناد دو قسم ہے حقیقی کہ مسند الیہ حقیقۃ سے متصف ہو اور مجازی کہ کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کر دیں جیسے نہر کو جاری یا جالس سفینہ کو متحرک کہتے ہیں حالانکہ حقیقۃً آب و کشتی جاری و متحرک ہیں۔ پھر حقیقی بھی دو قسم ہے ذاتی کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقۃً متصف کر دیا ہو، خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو جیسے واسطہ فی الثبوت میں یا نہیں جیسے واسطہ فی الاثبات میں۔ ان سب صورتوں کی اسنادیں تمام محاورات عقلائے جہاں دہر اہل ہر مذہب و ملت و خود قرآن و حدیث میں شائع و ذائع مثلاً انسان عالم کو عالم کہنا۔

فرق ذاتی و عطائی: قرآن عظیم میں جا بجا اولوا العلم و علماء بنی اسرائیل اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نسبت لفظ علیم وارد ہر حقیقت عطائیہ ہے۔ یعنی بعطائے الٰہی وہ حقیقۃً متصف بعلم ہیں اور مولیٰ عزوجل نے اپنے نفس کریم کو علیم فرمایا، یہ حقیقت ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنے ذات سے عالم ہے۔ سخت احمق ہے وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ وہابیہ کے مسائل شرکیہ استعانت و امداد و علم غیب و تصرفات و ندا و سماع فریاد و غیرہا اسی فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں"۔

جملہ معترضہ: زیادہ ہی طول پکڑ گیا۔ بات تو یہ ہو رہی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشق و ادب کی راہ پر چل رہے تھے، اس لئے اللہ کی ذات و صفات پر دل کے اطمینان کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور یہ دل کا اطمینان بھی دراصل محبوب خدا سرور دوسرا حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی محبت و صحبت کے فیض سے تھا۔ انھیں 'منافقین کے برعکس' اللہ کے محبوب ﷺ ہر محبوب سے محبوب تر تھے۔ آج یا کبھی اگر کوئی حق کے راستے پر چلنا چاہتا ہے اور سچے اسلامی عقائد کی تلاش میں ہے تو قرآن پاک کی رو سے اسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ چنانچہ آپ تحقیق کر کے دیکھیں تو اہل سنت کے جن عقائد کو مخالفین شرک سے تعبیر کرتے ہیں صدر اسلام میں وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقائد تھے اور خود ان مخالفین کا شجرہ عقائد و افکار اصحاب عظام علیہم الرضوان سے نہیں بلکہ منافقین سے ملتا ہے، مثلاً آج انھیں حضور پر نور ﷺ کے علم غیب سے انکار ہے تو ابتدائے تاریخ اسلام میں منافقین مدینہ بھی حضور ﷺ کے علم غیب کے منکر تھے۔ آج انھیں حضور پر نور ﷺ کی مددگاری، مشکلکشائی اور حاجت روائی سے انکار ہے تو دور اول میں منافقین کا طرز فکر بھی یہی تھا۔ اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مددگار، مشکلکشا و حاجت روا بھی سمجھتے تھے۔ آج ادب رسول ﷺ کی جن اداؤں کو منافقین نے شرک ٹھہرا لیا ہے تو یہ سبق بھی انھوں نے انھیں منافقین کے مکتب بغض و حسد اور مدرسہ کبر و غرور سے حاصل کیا ہے۔ پہلے منافقین بارگاہ رسالت ﷺ کی حاضری سے حتی المقدور رکتے اور روکتے تھے، آج بھی منافقین کا یہ طرز عمل ہے۔ یہ الگ بات ہے ان گندم نما جو فروشوں کا پہلا نام آیات و روایات میں 'منافقین' تھا۔ پھر اگلے ایڈیشن میں یہ خوارج کے نام سے سامنے آئے اور دور حاضر میں جب انگریزوں کی نظر کرم بھی ان کے شامل حال ہوئی تو اہل حدیث اور دیو بندی کہلائے۔

غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک وعظ

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب دل کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے تو نزدیکی حاصل ہوتی ہے جب نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو فائدہ اور نقصان کو اور خدائے بزرگ و برتر کیلئے کئے اور اس کے ماسوا کیلئے کئے اور حق کیلئے کئے اور باطل کیلئے کئے کام کو جان اور دیکھ لیتا ہے۔ جب مومن کیلئے نور ہوتا ہے جس سے دیکھتا ہے۔ تو صدیق مقرب کا کیا پوچھنا۔ مومن کیلئے ایک نور ہوتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس واسطے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اس سے ڈرایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

مومن کی فراست سے ڈرو اس واسطے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف مقرب کو بھی ایک نور عطا ہوتا ہے جس میں وہ اپنے قدرے بزرگ و برتر سے اپنے نزدیکی کو دیکھتا ہے اور خدائے بزرگ و برتر کو اپنے دل سے دیکھتا ہے۔ سو فرشتوں کی روحوں اور نبیوں صدیقین کے دلوں اور ان کی روحوں اور ان کے حالات اور مقامات کو دیکھتا ہے اور یہ سب چیزیں اس کے دل کے درمیان اور باطن کی پاکیزگی میں ہوتی ہیں اور وہ ہمیشہ اپنے پروردگار کے ساتھ فرحت میں ہوتا ہے اور یہ ایک واسطہ ہے جو اس سے کہتا ہے اور مخلوق میں بکھیر دیتا ہے۔ بعض ان دونوں میں زبان اور دل دونوں کے فصیح ہونے میں اور بعض ان میں دل کے فصیح مگر زبان کے لکنت والے ہوتے ہیں اور منافق زبان اور دل کا گونگا ہوتا ہے۔

اس کا سارا علم زبان میں ہوتا ہے، اور اس لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ جس کا مجھے اپنی امت کے بارہ میں ڈر ہے۔ زبان کا فصیح منافق ہے۔

اے صاحبزادے! جب تم میرے پاس آؤ اپنے عمل اور نفس سے نظر اٹھا کر آیا کرو۔ نادار مفلس آیا کرو۔ جب تم اپنے عمل اور نفس کو دیکھتے ہوئے آؤ گے تو اس (نعمت) سے محروم رہو گے جس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ تمہاری خرابی ہو، مجھ سے اس لئے بغض رکھتے ہو کہ میں حق بات کہتا ہوں اور تمہاری حقیقت کھول دیتا ہوں۔ مجھ سے تو دشمنی میں بغض رکھتا ہے اور مجھ سے وہی ناواقف ہے جو خدائے بزرگ و برتر سے ناواقف، زیادہ بات اور تھوڑا عمل کرنے والا ہو، اور مجھ سے وہی محبت کرے گا جو خدائے بزرگ و برتر سے واقف، بہت عمل کرنے والا تھوڑی بات کرنے والا ہو، مخلص مجھ سے محبت کرتا ہے اور منافق مجھ سے بغض رکھتا ہے، سنی مجھ سے محبت کرتا ہے اور بدعتی مجھ سے بغض رکھتا ہے، اگر تم مجھ سے محبت کرو گے تو اس کا سارا فائدہ تمہیں پہنچے گا اور اگر تم مجھ سے بغض رکھو گے تو اس کا سارا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا، میں تو لوگوں کی تعریف اور برائی کو کچھ بھی نہیں جانتا ہوں اور زمین کی سطح پر کوئی نہیں جس سے میں ڈروں یا کوئی امید رکھوں، جنوں، انسانوں، حیوانوں، زمین پر رینگنے والوں اور پیدا ہونے والی کسی بھی چیز سے ماسوا اللہ تعالیٰ کے میں نہیں ڈرتا۔ اللہ جتنا مجھے اطمینان دلاتا ہے اتنا ہی ڈر بڑھتا ہے، کیونکہ وہ جو چاہے کر ڈالے۔ جو کرے اس سے کوئی پوچھ نہیں اور باقی سب پوچھ ہوتی ہے۔

اے صاحبزادے! اپنے بدن کے کپڑے دھونے میں نہ لگے رہو۔ اور تمہارے دل کے کپڑے میلے کچیلے پڑے رہیں۔ پہلے دل کو دھوؤ۔ پھر کپڑوں کو دھوؤ، دونوں کی دھلائی اور پاکی اکٹھی کرو۔ اپنے کپڑوں کی میل دھوؤ اور اپنے دل کو گناہوں سے دھوؤ۔ کسی بھی چیز سے دھوکا نہ کھاؤ اور مغرور نہ ہو چونکہ تمہارا پروردگار جو چاہے کرسکتا ہے۔ کسی بزرگ سے نقل ہے کہ وہ اپنے ایک دینی بھائی سے ملنے گیا اور کہا اے بھائی۔ آؤ ہم اپنے متعلق علم الٰہی پر رودیں (کہ نہ معلوم ہمارے خاتمہ کے متعلق کیا طے فرمایا ہے) اس بزرگ نے کتنی اچھی بات کہی۔ اور حقیقت میں وہ عارف باللہ تھے۔ اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ارشاد سنا تھا کہ تم میں سے ایک جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیاں صرف ایک دو ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے (یعنی مرنے میں) کہ تقدیر کا لکھا غلبہ کرتا ہے اور جہنمیوں (یعنی کفر) کا عمل کر بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے اور اسی طرح ایک جہنمیوں کے کام کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے اور آگ کے درمیاں صرف ایک دو ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا غلبہ کرتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ (الحدیث)

تمہارے بارہ میں اللہ کا علم اس وقت ظاہر ہوسکتا ہے جب تم اپنے پورے دل اور اپنی پوری ہمت سے اس کی طرف رجوع کرو، اور اس کی رحمت کے دروازہ کو لازم پکڑلو، اپنے اور اپنی لذتوں کے درمیان ایک لوہے کی دیوار کھڑی کردو، اور قبر اور موت کو اپنے سر کہ آنکھوں اور اپنے دل کے پیش نظر رکھو اور خیال رکھو کہ خدائے بزرگ و برتر کی نظریں تمہاری طرف ہیں اور وہ تمہیں نہیں جانتے ہیں اور تمہارے پاس موجود ہیں۔ اور فقر کو امارت سمجھو اور افلاس پر راضی رہو۔ اور (اللہ کی) حدود کی حفاظت کے ساتھ تھوڑے پر قناعت کرو اور یہی شریعت کے حکموں کی تعمیل ہے، اور منع کی ہوئی چیزوں سے رک جانا ہے۔ جو بھی تقدیر سے تم پر وارد ہو۔ اس پر صبر کرو۔ جب تم اس پر قائم ہو جاؤ گے تو اپنے پروردگار سے ملو گے اور اپنے باطن سے حضوری پاؤ گے اس وقت تمہارے پر ایسی چیزیں کھلیں گی جن کو تم یقین کی نگاہ سے دیکھیں گے، اور صبر کرو گے۔ جیسا امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ اگر (غیب) کا پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ ہوگا (یعنی چھپی ہوئی چیزوں کا جو یقین اس وقت حاصل ہے وہ مشاہدہ کے یقین سے کم نہیں ہے)۔

کسی شخص نے پوچھا آپ نے پروردگار کو دیکھا ہے۔ فرمایا میں ایسے پروردگار کی پرستش ہی کرنے والا نہیں ہوں جس کو میں نے دیکھا نہ ہو کسی بزرگ سے پوچھا گیا۔ کیا آپ نے پروردگار کو دیکھا ہے۔ کہا کہ اگر اس کو نہ دیکھتا تو کبھی کا پاش پاش ہو جاتا ہے، اگر کوئی کہے، اس کو دیکھنے کی کیا صورت ہے، تو میں کہوں گا کہ جب بندہ کے دل سے خلق نکل جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے سوا باقی کچھ نہیں رہتا تو جس طرح چاہتا ہے، دکھاتا ہے اور نزدیکی کرتا ہے۔ باطن سے ایسے ہی دیکھتا ہے جیسے ظاہر سے، اور ایسے دیکھتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے شب معراج میں دیکھا۔ (اگرچہ دونوں کے دیکھنے میں بہت فرق ہے مگر نوعیت ایک ہے) جس طرح وہ چاہتے ہیں اپنے آپ کو اس بندے کو دکھاتے ہیں، نزدیک کرتے ہیں۔ اس سے نیند کی حالت میں بات کرتے ہیں اور کبھی بیداری میں بھی اس کے دل اور باطن سے بات کرتے ہیں۔ کبھی اس کے وجود کو قبض کر لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کو اس کی شان ظاہری پر دیکھتا ہے۔ اور ایک دوسرے معنی بھی دیتا ہے جس سے اس کی صفات، اس کی کرامات، اس کے فضل و احسان اور اس کے لطف و کرم کو دیکھتا ہے۔ اس کے حسن سلوک اور آغوش حفاظت کو

دیکھتا ہے۔جس کی عبودیت ثابت ہو جاتی ہے، یہ نہیں کہتا کہ مجھے خود کو دکھا۔ مجھے (فلاں چیز) دے۔فنا اور مستغرق ہو جاتا ہے۔اس لیے بعض بزرگ جو اس درجہ کو پہنچ گئے تھے، کہتے تھے، مجھ پر میری طرف سے ہے ہی کیا۔کیا اچھی بات کہی۔جس نے کہا میں اس کا بندہ ہوں اور بندہ کو آقا کے سامنے اختیار اور ارادہ نہیں ہوتا۔ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور یہ غلام دیندار اور نیک تھا۔پھر گھر پہنچ کر پوچھا۔''اے غلام ! کیا چیز کھانی چاہیے''۔اس نے کہا''جو کھلا دو۔'' پھر کہا''کون سا کام کرنا پسند کرو گے۔'' کہا''جس کا آپ حکم فرمائیں گے''۔تو وہ شخص رو پڑا اور کہنے لگا''خوشخبری ہو تمہیں، اگر میں اپنے پروردگار کے ساتھ ایسے ہوتا جیسے تم میرے ساتھ ہو۔'' تو غلام نے کہا''اے میرے آقا! کیا غلام کو آقا کے سامنے ارادہ اور اختیار ہوتا ہے'' کہنے لگا تم اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس رہو، تاکہ میں اپنی جان اور مال سے تمہاری حفاظت کروں بے شک جو اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اس کے لیے ارادہ اور اختیار باقی نہیں رہتا۔اور یہی کہتا ہے کہ مجھ پر میری طرف سے ہے ہی کیا۔اپنے کاموں میں اور اپنے سوا اوروں کے کاموں میں تقدیر سے نہیں لڑتا''۔اے اعتراض کرنے والو، اے لڑنے جھگڑنے والو، اے بے ادبو، سنو اور مجھ سے سنو، کیونکہ میں اس گروہ میں سے ہوں جنہوں نے انبیاء سے ادب سیکھا ہے۔ان کی پیروی کرنے والوں اور ان کی سیرت کو بلند کرنے والوں میں سے ہوں۔جس کتاب اور سنت کی موافقت کو حکم کرتا ہوں اور پھر ہر اس (ولی کامل کی موافقت کا) جس کو ایسا دل ملا ہے جس کو اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل ہے اور اس پر میرے کہے (بے ادبی اور تقدیر سے جھگڑا) کا اندیشہ نہیں۔ایسے اللہ تعالیٰ کے بندے شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔جو مخلوق خدا سے بے رغبتی اختیار کرتے ہیں اور قرآن پڑھنے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا کلام پڑھنے میں جی لگاتے ہیں۔تو لامحالہ ان کے دل اللہ تعالیٰ سے لو لگانے والے اور نزدیکی والے ہو جاتے ہیں جن سے وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو دیکھتے ہیں۔چونکہ ان کے دل صحیح ہو جاتے ہیں اس لئے ان پر تمہارے اندر کی حالت چھپی نہیں رہتی۔تمہارے دلوں کی باتیں کرتے ہیں چونکہ ان کے دل صحیح ہو جاتے ہیں اور تمہارے گھروں کی چیزوں کی خبر دیتے ہیں۔افسوس تمہارے پر۔عقل سیکھو۔اپنی جہالت کے ساتھ (اہل اللہ) کی جماعت میں مت گھسو۔تم مدرسہ سے نکلتے ہی (منبر پر) چڑھ بیٹھتے ہو۔نیک لوگوں (اہل اللہ) کی باتیں سنانے لگتے ہو۔ابھی (دوات) کی سیاہی تمہارے بدن اور کپڑوں پر لگی ہے اور لوگوں کو نصیحتیں کرنے کے منتظر ہو بیٹھے، اس بات کیلئے ظاہر اور باطن کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، پھر سب سے بے پرواہ ہو جانے کی۔اے غافلو! تم کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے۔خصوصی قیامت اور عمومی قیامت کو یاد کرو خصوصی قیامت تم میں سے ہر ایک کی علیحدہ موت ہے اور عمومی قیامت وہ ہے جس کا خدائے بزرگ و برتر نے وعدہ فرمایا۔یاد کرو اور سبق لو۔خدائے بزرگ و برتر کے اس فرمان سے۔اس دن پرہیز گاروں کو خدائے رحمان کا وفد بنا کر لائیں گے اور گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ہانکے گے جدا جدا جماعت اور سوار دوزخ کے گھاٹ پر اور پیاسے پرہیز گاروں کو جمع کیا جائے گا، اور گناہگاروں کو (جانوروں کی طرح مار مار کر) ہانکا جائے گا۔سو اللہ رحم کرے اس بندہ پر جو اس دن کو یاد کرے اور آج ہی اہل اللہ کی جماعت میں شامل ہو۔تاکہ اس دن انہی کے ساتھ جمع ہوا۔اے پرہیز گاری کے چھوڑنے والوں! قیامت کے دن پرہیز گار رحمٰن کی طرف سوار لائے جائیں۔اور فرشتے ان کے اردگرد جمع ہوں گے۔ان کے اعمال صورتیں اختیار کر لیں گے۔وہ اصیل گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔اصیل گھوڑا ان کا عمل ہوگا اور اس کا پتہ ان کا علم۔سارے اعمال اچھی اور بری صورتیں قبول کریں

گے، پرہیز گاری کی کنجی توبہ کرنا اور اس پر قائم رہنا ہے۔ اور اسی واسطے بزرگوں نے اس سے کسی بھی طرح کاہلی نہیں برتی، اے (خدا سے) پیٹھ پھیرنے والو توبہ کرو، اے نافرمانو! اپنے پروردگار سے توبہ کے ذریعہ صلح کرو۔ یہ دل خدائے بزرگ و برتر کے قابل نہ ہوگا جب کہ اس میں ذرہ بھر بھی دنیا اور مخلوق میں سے کسی ایک سے طمع موجود ہو۔ پس اگر تم اسے صحیح کرنا چاہتے ہو تو ان دونوں چیزوں کا اپنے دلوں سے نکال باہر کرو۔ اور اس سے تمہارا نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ جب تم واصل باللہ ہو جاؤ گے تو تمہارے پاس دنیا اور مخلوق (دونوں خود خادم بن کر) آئیں گے اور تم اللہ کے ساتھ اس کے دروازہ پر ہو گے۔ یہ آزمودہ چیز ہے، دنیا سے کنارا کرنے والے اور اسے چھوڑنے والے اور پرہیز گار سب آزما چکے ہیں۔

اے صاحبزادے! تمہارے لئے تمہارے ہر عمل نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوۃ میں خدائے بزرگ و برتر کیلئے اخلاص لازم ہے، اس تک پہنچنے سے پہلے اس سے عہد لے لو، یہ عہد کیا ہے۔ یہی اخلاص۔ توحید۔ اہل سنت و جماعت (کے عقائد) اور صبر و شکر۔ تسلیم (و رضا بخدا) اور مخلوق کو چھوڑنا اور (محض) اس کو ڈھونڈنا اور دوسروں سے منہ پھرانا اور اپنے دل اور باطن سے خدا کی طرف منہ کرنا۔ پس (اگر تم ان باتوں کے پابند ہو جاؤ تو عہد کے مطابق حق تعالیٰ) لامحالہ تمہیں دنیا میں نزدیکی عطا کریں گے اور سب سے بے نیازی اور اپنی محبت اور اپنا شوق اور آخرت میں تمہیں نزدیکی اور اپنی نعمت سے وہ چیزیں دیں گے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر گزریں، اس لئے اپنے پروردگار سے تعلق قائم کرو۔ پھر جب شیطان تمہارے پاس پھرائے اور تمہیں بدلے۔ تو تم اللہ سے فریاد کرو جیسے تمہارے سے پہلے لوگ فریاد کرتے رہے۔ اپنا عمل سنوارو۔ پھر اپنے پروردگار سے حسن ظن رکھو۔ اس سے حسن ظن اس کا کہا ماننے کے ساتھ رکھو، تمہارے بہت سے کام سنوار دے گا۔ اور خدائے بزرگ و برتر سے اور اس کے نبیوں سے اور اس کے رسولوں سے اور اس کے بندوں میں سے حسن ظن رکھو اس میں بڑی بھلائی ہے۔

اے صاحبزادے! تو صوفی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور تو گندلا ہے، صوفی وہ ہے جس نے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی سنت کی پیروی کر کے اپنے باطن اور ظاہر کو (ہر میل کچیل سے) صاف کر لیا، ان ہی دو چیزوں سے صفائی بڑھے گی اور وہ اپنے وجود کے سمندر سے نکلے گا اور اپنے ارادہ اور اختیار کو چھوڑے گا جس کا دل صاف ہو جاتا ہے اس کے اس کے خدائے بزرگ و برتر کے درمیان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم (اس طرح) سفیر بن جاتے ہیں جس طرح (انکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان) وحی حق کے سلسلہ میں جبریل علیہ السلام تھے۔ اور یہ ہر قول اور فعل میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی پیروی سے ہوتی ہے۔ جب بندہ کا دل صاف ہو جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو دیکھتا ہے۔ کسی بات کا اس کو حکم فرماتے ہیں اور کسی چیز سے اس کو منع کرتے ہیں۔ وہ سارے کا سارا دل بن جاتا ہے اور جسم معزول ہو جاتا ہے سر تا پا باطن ہو جاتا ہے۔ بلا ظاہر اور صفا بلا کدورت۔ سب کا دل سے نکال دینا گڑے پہاڑوں کا اکھاڑنا ہے۔ جس کے لیے مجاہدوں کے کدالوں۔ مصائب و آفات پر صبر و تحمل۔ آفات و بلیات کو زائل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ خبردار! ایسی چیز نہ طلب کرو۔ جو تمہارے ہاتھ نہ پڑے۔ خوشخبری ہو تمہارے لیے کہ تم سیاہ سفید (احکام شریعت) پر عمل کر لو اور (سچے) مسلمان بن جاؤ۔ خوشخبری ہو تمہارے لیے قیامت کے دن مسلمانوں کی جماعت میں آ جاؤ۔ اور کافروں کی ٹولی میں نہ رہو۔ خوشخبری ہو

تمہارے لیے کہ جن کی زمین اور اسکے دروازہ پر بیٹھنا مل جائے۔اور جہنم والوں میں نہ ہوں۔تواضع بلند کرتی ہے اور تکبر پست کرتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کی،اللہ تعالیٰ اسے بلند کریں گے۔اللہ کے ایسے بندے (اب بھی) موجود ہیں جو پہاڑوں کے برابر نیک اعمال کرتے ہیں۔ایسے اعمال جیسے کہ پہلوں نے کیے اور خدائے بزرگ و برتر کے سامنے تواضع کرتے اور کہتے، ہمارا کوئی عمل نہیں جو ہمیں جنت میں داخل کردے گا۔اگر ہمیں جنت میں داخلہ مل گیا تو خدائے بزرگ و برتر کی رحمت سے اور اگر ہمیں داخل نہ فرمایا گیا تو خدائے بزرگ و برتر کی رحمت سے،اور اگر ہمیں جن میں داخل نہ فرمایا گیا تو یہ بھی اس کا عدل وانصاف۔(کہ فی الواقع ہم اس کے قابل نہ تھے) وہ ہر اس وقت اس کے سامنے اخلاص کے پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں (نیک اعمال سے خالی سمجھتے ہوئے اور اس کی نگاہ عفو وکرم کا انتظار کرتے ہوئے) توبہ کرو اور اپنی کوتاہی کو مان لو۔توبہ اللہ تعالیٰ کی (دی ہوئی) زندگی ہے۔زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد بارش سے زندہ کرتا ہے ا۔اور لوگوں کو موت کے بعد توبہ اور بیداری کے ساتھ زندہ کرتا ہے

اے نافرمانو! توبہ کرو۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔او اس کے فضل سے مایوس نہ ہو۔اے مردہ دلو ہمیشہ خدائے بزرگ و برتر کو یاد کرو۔اس کی کتاب کی تلاوت کرو۔اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی سنت کی پیروی کرو۔اور ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتے رہو۔یقیناً یہ چیز تمہارے دلوں کی اس طرح زندہ کردے گی جیسے کہ مردہ زمین کو بارش پڑنے سے زندگی مل جاتی ہے۔ذکر کی ہمیشگی دنیا اور آخرت کی دوری خیر کا سبب بنتی ہے۔جب دل صحیح ہوجاتا ہے تو اس میں ذکر دائمی قائم ہوجاتا ہے اسکے سارے دل اور اس کی اطراف میں لکھا جاتا ہے۔چنانچہ اس کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل اپنے خدائے بزرگ و برتر کو یاد کیا کرتا ہے۔یہ اس کو اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے میراث میں ملتی ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے تھے۔

ایک بزرگ کے پاس ایک تسبیح تھی جس سے اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ایک رات تسبیح پڑھتے پڑھتے سو گئے۔اور وہ ان کے ہاتھ میں ہی تھی۔تو اچانک (لوگوں نے دیکھا کہ) وہ ان کے ہاتھ میں چل رہی ہے۔بغیر اس کے کہ وہ سے چلائیں۔اور ان کی زبان سے سبحان اللہ، سبحان اللہ نکل رہا ہے۔اللہ والوں کو سونا اونگھ کے غلبہ سے ہوتا ہے اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ رات کے کچھ حصہ میں بہ تکلف سوتے ہیں تا کہ اس سے رات کے بقیہ حصہ میں جاگنے کے لیے مدد ملے۔وہ نفس کو اس کا حق دیتے ہیں تا کہ اسے سکون ہوجائے۔اور تکلیف نہ دے۔ایک بزرگ کی تو یہ شان تھی کہ رات میں نیند کو بلایا کرتے اور اس کا بلاضرورت سامان کیا کرتے۔کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو کہا۔مجھے خدائے بزرگ و برتر اپنا دیدار کراتے ہیں، سچ بات کہی، کیونکہ سچا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔چنانچہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک سونے میں تھی، خدائے بزرگ و برتر کے مقرب پر ہر وقت (اس کی حفاظت کیلئے) فرشتے مقرر ہوتے ہیں، اگر وہ سو جاتا ہے تو اس کے سر کے قریب پاؤں کے پاس بیٹھے رہتے ہیں اور اس کی آگے اور پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں، شیطان ایک طرف رہتا ہے مقرب کو اس کے پاس ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔اللہ کی حفاظت میں سوتا ہے اور اللہ کی حفاظت میں ہی جاگتا ہے، اس کی حرکت اور سکون سب اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔اے اللہ! ہم کو ہر حال میں اپنی حفاظت میں رکھ اور ہمیں دنیا اور آخرت میں نیکی دے، اور آگ کے عذاب سے بچا۔ ☆...☆...☆

حضور خواجۂ بغداد رضی اللہ عنہ

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ

کشف المعانی المکتوبات امام ربانی

(شرح مکتوبات شریف)

محدث زماں حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ الحقیقہ کے لیے جہاں یہ امر باعث عزو شرف ہے وہیں ہمارے قارئین کے لیے مادیت زدہ ماحول میں، قطب وقت' قندیل نورانی محدث رحمانی، غوث صمدانی، امام ربانی، المجدد المنور الف ثانی، ابوالبرکات شیخ بدر الدین احمد فاروقی، نقشبندی، سرہندی قدس سرہ العزیز کے مکاتیب جو مکتوبات امام ربانی (مکتوبات شریف) کے نام سے معروف ہیں، علوم و معارف اور حقیقت و معرفت کا بحر زخار ہے جو اس قدر مشکل اور اَدق ہیں کہ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی علما کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں جو مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں اور الف ثانی کے مجدد کے ساتھ خاص ہیں۔ نیز یہ علوم و معارف کشف صحیح اور الہام صریح سے ثابت ہیں جو کتاب وسنت کے عین مطابق اور اہلسنت کے عقائد وآراء کے بالکل موافق ہیں۔

ادارہ مجلہ الحقیقہ اپنے قارئین کے لیے آسان اور عام فہم انداز میں، محدث زماں حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ ''کشف المعانی لمکتوبات امام ربانی'' جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریفہ کی شرح، پہلی بار شائع کر رہا ہے۔

محدث زماں حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ آپ ایک عظیم فقیہ اور مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ولی کامل اور عاشق رسول بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ علوم باطنیہ بھی عطا فرمائے تھے۔ آپکی تصانیف فتاوی نظیریہ، خاتمیت محمدیہ اور ''کشف المعانی لمکتوبات امام ربانی'' اس کا بین ثبوت ہیں۔ آخر الذکر تصنیف علامہ نظیری نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شدید علالت میں تحریر فرمائی۔ ''کشف المعانی لمکتوبات امام ربانی'' کو مجلہ الحقیقہ میں قسط وار شائع کیا جارہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مزار پرانوار پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، مجلہ الحقیقہ کو اسلام اور تصوف کی حقیقی تصویر پیش کرنے اور قارئین کو فیض حاصل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ادارہ الحقیقہ)

مکتوب اول۔ پہلا مکتوب نمبر ۱

فارسی	اردو
''دربیان احوالی کہ مناسبت باسم الظاہر دارند''	ان احوال کے بیان میں جو الظاہر اسم سے مناسبت رکھتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم مبارک الظاہر ہے اسکی مناسبت کے حالات اس مکتوب میں قلم بند کئے گئے ہیں)۔

''وظہورِ قسم خاص از توحید وبیان عروجات کہ برفوق محدّد واقع شدہ است''	اور توحید سے ایک خاص قسم کا ظاہر ہونا اور ان بلندیوں کا بیان ہے جو محدّد سے اوپر واقع ہوتی ہیں (محدّد سے مراد عرش عظیم ہے جو جہات کی حد بندی کرنے والا ہے)۔
''وانکشاف درجات بہشت وظہور مراتب بعضے از اہل اللہ بہ پیر بزرگوار خود نوشتہ اند''	اور بہشت کے درجوں کا انکشاف اور بعض اہل اللہ کے مراتب کے ظہور کے سلسلہ میں اپنے پیر بزرگوار کی طرف لکھا ہے۔
''وھو الشیخ الکامل المکمل الواصل الی درجات الولایۃ الھادی الی طریق اندراج النھایۃ فی البدایۃ مؤید الدین المرضی شیخنا وامامنا الشیخ محمد الباقی النقشبندی الاحراری قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس وبلغہ اللہ سبحانہ الی اقصے ما یتمناہ''۔	اور وہ (مجدد صاحب کے مرشد) شیخ کامل، دوسرے کو کامل بنانے والے، ولائت کے تمام درجوں تک پہنچنے والے، اس راستے کی رہنمائی کرنے والے جس میں ابتدا و انتہا میں درج ہے پسندیدہ دین (اسلام) کی تائید (امداد) کرنے والے، ہمارے شیخ اور امام شیخ محمد الباقی نقشبندی احراری (خواجہ عبیداللہ کی طرف نسبت) ہیں ان کے پاک راز کو اللہ تعالیٰ زیادہ پاک کرے اور اللہ پاک ان کو اپنی آخری بلند خواہش تک پہنچائے (آمین) (حضرت خواجہ کا اسم گرامی محمد باقی ہے اور آپ کا عرف باقی باللہ ہے والد محترم کا نام قاضی عبدالسلام خلجی ہے حضرت خواجہ باقی باللہ کی ولادت مبارک شہر کابل ملک افغانستان میں ۹۷۱ھ ۱۵۶۴ء میں ہوئی اور آپ کا وصال مبارک ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۳ء دہلی ملک ہندوستان میں ہوا آپکا مزار شریف مرجع خواص وعوام ہے آپ پہلی وہ شخصیت ہیں جن کے ذریعے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ ملک ہند میں داخل ہوا صاحب تصرف اور صاحب کرامت شیف اللسان ولی تھے۔
''عرضداشت''	یہ خط پیش خدمت ہے (اردو محاورہ میں بھی اپنا مقصد بیان کرنے کو عرضداشت کہتے ہیں)
''کمترین بندگان احمد بن عبد الاحد عرض میرساند''	تمام غلاموں سے بہت ہی چھوٹا غلام - احمد - عرض پہنچاتا (پیش) کرتا ہے (احمد حضرت مجدد صاحب کا اسم شریف ہے بندگان سے مراد حضرت خواجہ کے مریدین ہیں)

''حسب الامر الشریف گستاخی می نماید و احوال پریشان را معروض میدارد''	آپ کے حکم شریف کی تعمیل میں گستاخی کر رہا ہے اور مختلف حالات پیش کر رہا ہے (حضرت خواجہ کا حکم تھا کہ اپنے روحانی حالات لکھ کر بھیجو اس لئے خط لکھا ورنہ تو مرشد کو خط لکھنا گستاخی ہے مگر الامر فوق الادب کا معاملہ ہے)۔
''کہ در اثناءِ راہ آن قدر تجلی اسم الظاہر متجلی گشت کہ در جمیع اشیاء تجلی خاص علیحدہ علیحدہ ظاہر گشت علی الخصوص در کسوتِ نسا بلکہ در اجزاءِ لباسہا جدا جدا آن قدر منقاد این طائفہ گشتم کہ چہ عرض نمایم و درین انقیاد مضطر بودم''	اور سلوک کا راستہ طے کرنے کے دور میں اسم الظاہر کی تجلی سے اس قدر روشنی ہوئی کہ اللہ کا نور تمام چیزوں میں علیحدہ علیحدہ خاص تجلی کے ساتھ ظاہر ہوا خاص طور پر عورتوں کے لباس میں بلکہ ان کے ہر اجزاء میں جدا جدا ظہور ہوا اور اس گروہ کی طرف اتنا کھچاؤ ہوا کہ کیا عرض کروں اور میں اس کھچاؤ میں بے اختیار تھا (یعنی غیر ارادی طور پر کھچاؤ تھا یہ سلوک کے راستہ میں پیش آنے والی ایک تمثیل ہے جیسے کہ معراج میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک عورت آواز دے رہی ہے الخ۔ چونکہ حضرت کو مرشد کا حکم تھا اس لئے تمام حالات لکھ دیئے)۔
''ظہور یکہ دریں کسوت بودہ در ہیچ جا نبودہ''	جو اسم ظاہر کا ظہور اس لباس میں تھا اور کسی جگہ نہ تھا۔
''خصوصیات لطائف و محسنات عجائب کہ دریں لباس مینمودہ از ہیچ مظہرے ظاہر نمی شدہ''	لطائف کی خصوصیات اور پسندیدہ عجائب جو اس لباس میں نظر آئے کسی اور جائے ظہور سے ظاہر نہیں ہوئے (جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہونے کے لئے ایک درخت کو متعین فرمایا حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے)۔
''پیش ایشاں تمام گداختہ آب شدہ میرفتم''	پوری طرح پگھلا ہوا پانی پانی ہوا ان کے سامنے جاتا ہوں (یہ ایک حالت بیان کی گئی ہے)۔
''وہم چنیں در ہر طعامی و شرابی و کسوتی جدا جدا متجلی شد''	اور اسی طرح ہر کھانے اور پینے کی چیزوں اور ہر لباس میں جدا جدا روشنی کرنے والا ہوتا (یعنی اللہ کے نور کی تجلیات نظر آتی ہیں)۔
''لطافتے و حسنے کہ در طعامِ لذیذہ پُر تکلف بود در ماوراءِ آن نبود و در آب شیریں تا آب غیر شیریں ہمیں تفاوت بود بلکہ در ہر لذیذ و شیریں یک خصوصیتِ کمال علیٰ تفاوت الدرجات جدا جدا بود''	وہ لطافت اور خوبی کہ پر تکلف لذیذ کھانے میں تھی کسی اور چیز میں نہ تھی میٹھے پانی اور غیر میٹھے پانی میں بھی یہی فرق تھا بلکہ ہر لذیذ اور میٹھی چیز میں ایک با کمال خصوصیت درجات کے فرق کے مطابق جدا جدا تھی۔
''خصوصیات ایں تجلی را بتحریر بعرض نمیتواند رسانید اگر در ملازمت علیہ می بود شاید معروض میداشت''	اس تجلی کی خصوصیات بذریعہ خط نہیں پہنچائی جاسکتیں اگر دربارِ عالیہ میں قیام ہوتا تو شاید عرض کیا جاسکتا۔

"لہٰذا در اثناء این تجلیات آرزوئے رفیق اعلیٰ داشتم وبایں ہمہ امکن ملتفت نمیشدم اما مغلوب بودم چارہ ندا شتم"	البتہ ان تجلیوں کے دوران رفیق اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کی آرزو مند تھا اور ان مظاہر کی طرف جتنا ممکن ہو متوجہ نہیں ہوتا تھا لیکن مغلوب الحال تھا کوئی چارہ نہ رکھتا تھا۔
"دریں اثناء معلوم شد کہ ایں تجلی بآن نسبت تنزیہی جنگ ندارد و باطن ہمچناں گرفتار آں نسبت است"	اسی دوران معلوم ہوا کہ یہ تجلی اس پاکیزہ نسبت سے کوئی تضاد نہیں رکھتی اور باطن اسی طرح اس پاک نسبت کا گرفتار ہے (باطن میں نسبت موجود ہے)
"بظاہر اصلاً ملتفت نیست"	ظاہر کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے۔ (یعنی باطن پاک نسبت سے معمور ہے اور ان ظاہری چیزوں کی طرف توجہ نہیں رکھتا)
"وظاہر را کہ ازاں نسبت خالی و معطل بود بایں تجلی مشرف ساختہ اند"	اور ظاہر کو جو اس نسبت سے خالی اور معطل تھا اس تجلی سے مشرف کر دیا۔
"والحق وا ہمچنان یافتم کہ باطن اصلا بزیغ بصر مبتلا نیست واز جمیع معلومات و ظہورات معرض است"	اور حق کو اس طرح پایا کہ باطن بالکل آنکھ کے ٹیڑا ہونے میں مبتلا نہیں اور تمام معلومات اور ظہورات سے منہ موڑنے والا ہے۔
"وظاہر کہ متوجہ کثرت واثنینیۃ بود بایں تجلیات مستسعد گشتہ است"	اور ظاہر جو کثرت اور دوئی کی طرف متوجہ تھا ان تجلیات سے نیک بخت ہو گیا۔
"بعد از چندگاہ ایں تجلیات رو بخفا آورد و ہماں نسبت حیرت و نادانی بحال خود ماند وصارت تلک التجلیات کان لم یکن شیاءً مذکوراً۔"	کچھ وقت کے بعد یہ تجلیات پوشیدہ ہو گئیں اور وہی حیرت اور نادانی والی نسبت اپنے حال پر رہ گئی اور وہ تجلیات ایسی ہو گئیں گویا کوئی قابل ذکر چیز نہ تھی۔
"وبعد ازاں یک فناء خاص روداد وہمانا کہ آن تعین علمی کہ بعد از عود تعین پیدا شدہ بود دریں فناء گم شد واثرے از مظان انا نماند"	اور اسکے بعد ایک خاص قسم کی فنا سامنے آئی اور تعین لوٹنے کے بعد جو تعین علمی پیدا ہوئی تھی اس فنا میں گم ہو گئی اور انانیت کے گمان کی جگہ سے کوئی اثر نہ رہا (یعنی "میں" مر گئی انانیت کی کوئی گنجائش نہ رہی)۔
"دریں وقت آثار اسلام وعلامات انہدام معالم شرک خفی بظہور آمدن گرفتند وہمچنیں دید قصور اعمال ومتہم داشتن نیات وخواطر"	اس وقت اسلام کی نشانیاں اور شرک خفی کے نشانات کے گرنے کی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہوئیں اور اسی طرح اعمال کا قصور دیکھنا اور نیتوں کو تہمتناک رکھنا اور وسوسے پیدا ہونا شروع ہوئے۔
"بالجملہ بعضی امارات عبودیت ونیستی ازاں باز ظاہر گشتہ اند"	خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندہ ہونے اور اپنی ذات نہ ہونے کی بعض نشانیاں اس سے پھر ظاہر ہوئیں۔

''حق سبحانہٗ وتعالیٰ بہ برکتِ توجہ حضرت خواجہ بحقیقت بندگی رسانید''	حضرت خواجہ کی توجہ کی برکت سے حق پاک وبلند نے بندگی کی حقیقت تک پہنچادیا ہے۔
''دعروجات برفوق محدّد بسیار واقع میشود''	اور عرش سے اوپر بہت بلندیاں واقع ہوتی ہیں (یعنی بلند درجات بہت ہیں جنکی کچھ تفصیل یہ ہے کہ)
''مرتبہ اول''۔ ''کہ عروج واقع شد بعد از طی مسافت چوں برفوق محدّد درسید درا خلد از انجا بما تحت مشہود گشت''	**''پہلا مرتبہ''**۔ کچھ مسافت طے کرنے کے بعد جو عروج واقع ہوا (اس میں یہ دیکھا) کہ جب عرش پر پہنچا تو جنت وہاں سے نیچے نظر آئی۔
''دراں اثناء بخاطر آمد کی مقامات بعضے مردم را دراں جامشاہدہ نمایم	اس دوران دل میں آیا کہ یہاں بعض بزرگوں کے مقامات کا مشاہدہ کروں۔
چون متوجہ شدم مقامات آنہا در نظر آمد وآں اشخاص را نیز دران محال دید علیٰ تفاوت درجاتہم مکاناً ومکانۃً وشوقاً وذوقاً''	جب میں متوجہ ہوا تو ان کے مقامات نظر آئے اور ان بزرگوں کو بھی اُن جگہوں میں دیکھا ان کے درجوں کے فرق کے مطابق۔ جگہ تکرار پکڑنا۔ شوق وذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے (یعنی فرق اور اسباب)
مرتبہ دوم: باز عروج واقع شد	**دوسرا مرتبہ: پھیر اور عروج واقع ہوا (یعنی بلند مرتبہ)**
''مقامات مشائخ عِظام وائمہ واہل بیت وخلفاء راشدین ومقام خاصہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم وبارک وہمچنیں مقاماتِ سائر انبیاء ورسل علی التفاوت ومقامات ملائکہ مَلأ اعلیٰ فوق محدّد مشہود گشت''	مشائخ عظام اور اہل بیت کے آئمہ وخلفاء راشدین کے مقامات اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ سلم وبارک کا مقام خاص اور اسی طرح فرق کے ساتھ تمام نبیوں اور رسولوں کے مقامات اور ملائے اعلیٰ کے فرشتوں کے مقامات کا مشاہدہ عرش سے اوپر ہوا۔
''دفوق محدّد آں مقدار عروج واقع شد کہ از مرکز خاک تا محدّد دیا اند کے کمتر ازیں وتا مقام حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس منتہی شد''	اور عرش سے اوپر اس قدر بلندی نصیب ہوئی کہ جتنی مسافت زمین سے عرش تک ہے یا اس سے کچھ تھوڑا کم۔ اور حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کے مقام تک منتہی ہوا۔
''دفوق آن مقام چندے از مشائخ بودند بلکہ درہمان مقام با فوقیت قلیلہ مثل شیخ معروف کرخی وشیخ ابوسعید خراز وباقی مشائخ بعضے درتہِ آن مقام مقامات داشتند وبعضے درہماں مقام بودند امادر تحت مثل شیخ علاؤ الدولہ وشیخ نجم الدین کبریٰ دفوقِ آن مقام آئمہ اہل بیت بودند دفوق آن خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین''	اور اس سے اوپر کے مقام میں چند مشائخ تھے بلکہ اُسی مقام میں تھوڑی بلندی کے ساتھ تھے جیسا کہ شیخ معروف کرخی اور شیخ ابوسعید خراز ہیں اور باقی مشائخ میں سے کچھ اسی مقام کے نچلے حصہ میں مقامات رکھتے تھے اور بعض اسی مقام میں تھے بہر حال نچلے درجہ میں مقام رکھنے والوں کی مثال شیخ علاؤ الدولہ اور شیخ نجم الدین کبرٰی ہیں اور اس مقام سے اوپر آئمہ اہل بیت تھے اور اسکے اوپر خلفاءِ راشدین ہیں ان سب پر اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔
''ومقاماتِ سائر انبیاء اعلیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام یکطرف علیحدہ از مقامِ آں سرور بود''	تمام نبیوں کے مقامات آں سرور نبی علیہ السلام کے مقام سے علیحدہ ایک طرف تھے ہمارے نبی اور ان سب پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

''وہمچنیں مقامات ملائکہ عالین صلوات اللہ وسلامہ علیٰ نبینا وعلیہم اجمعین در طرف دیگر جدا ازاں مقام بود''	اور اسی طرح بلند درجہ کے فرشتوں کے مقامات دوسری طرف اس مقام سے جدا تھے ہمارے نبی اور ان سب پر درود وسلام ہو۔
''امامقام آں سرور را از جمیع مقامات فوقیت وسروری بود''	بہر حال آں سرور (سردار) علیہ السلام کے مقام کو تمام مقامات سے بلندی اور سرداری حاصل تھی۔
''واللہ سبحانہ اعلم بحقائق الامور کلھا''	اور اللہ پاک زیادہ جانتا ہے تمام امور کے حقائق کو۔
''وہرگاہ میخواہم بعنایت اللہ سبحانہ عروج واقع میشود ودر بعضے اوقات بے خواست ہم واقع میشود وچیزے دیگر ہم دیدہ می شود وبر بعضے عروجات آثار ہم مترتب می شود واکثر چیزہا فراموش میشود''	اور جب بھی چاہتا ہوں اللہ پاک کی عنائت سے عروج واقع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اور بغیر چاہنے کے بھی عروج واقع ہوتا ہے اور ایک دوسری چیز بھی نظر آتی ہے (شاید اللہ کے خصوصی انوار نظر آتے ہونگے) اور بعض بلند مرتبوں پر آثار بھی مترتب ہوتے ہیں اور اکثر چیزیں بھول جاتی ہیں۔
''وہر چند میخواہم کہ بعضے حالات را بنویسم کہ در وقتِ عرضداشت کردن بیاد آید میسر نمی شود''	اور جتنا بھی چاہتا ہوں کہ بعض حالات لکھوں تا کہ عرض نامہ کے وقت یاد آئے تو میسر نہیں ہوتا (یعنی لکھنا میسر نہیں ہوتا)۔
''زیرا کہ در نظر محقری درآید جائے آں دارد کہ ازاں استغفار کردہ شود چہ جائے آنکہ بنویسد''	اس لئے کہ دیکھنے میں حقیر نظر آتا ہے ایسی جگہ رکھتا ہے کہ استغفار کی جاتی ہے چہ جائے کہ لکھا جائے۔
''ودر اثناء املاءِ عریضہ ہم بعضے چیزہا بیاد بود تا آخر وفا نکرد کہ نوشتہ شود''	خط لکھوانے کے دوران بھی بعض چیزیں یاد ہوتی ہیں لیکن آخر تک یادداشت وفا نہیں کرتی تا کہ لکھی جائیں۔
''زیادہ گستاخی نہ نمود''	زیادہ لکھنا گستاخی نہ ہو جائے۔
''حال ملا قاسم علی بہتر است غلبہ استہلاک واستغراق است''	ملا قاسم علی کا حال بہتر ہے فناء اور استغراق کا غلبہ ہے۔
''واز جمیع مقامات جذبہ بفوق قدم نہادہ وصفات را کہ اول از اصل می دید حالا باوجود آں صفات را از خود جدا می بیند وخود را خالی محض می یابد''	اور جذبہ کے تمام مقامات سے اوپر قدم رکھے ہوئے اور صفات کو کہ پہلے اصل سے دیکھتا تھا اب اسکے باوجود صفات کو اپنے سے جدا دیکھتا ہے اور خود کو محض خالی پاتا ہے۔
''بلکہ نورے کہ صفات قائم باوئند نیز از خود جدا می بیند وخود را ازاں نور در طرف دیگر می یابد''	بلکہ وہ نور کہ صفات اس سے قائم ہیں اسکو بھی اپنے سے جدا دیکھتا ہے اور اپنے آپکو اس نور سے دوسری طرف پاتا ہے۔
''واحوال یاراں دیگر ہم روز در بہی است در عرضداشت دیگر ان شاء اللہ العزیز بتفصیل عرضداشت خواہد کرد''	اور دوستوں (مریدین) کے احوال بھی آئے دن بہتری میں ہیں دوسرے خط میں تفصیل سے عرض کی جائیگی ان شاء اللہ العزیز۔

اسلامی جہاد ......امن کا سویرا

پروفیسر ڈاکٹر عبدالنعیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دشمنان اسلام کو ہر دیندار مسلمان جہادی اور ہر مدرسہ اور اسلامی تنظیم دہشت گردی کا مرکز نظر آتا ہے۔ آج یہود و نصاریٰ اور سنگھ پریوار جہاد کو غلط معنی پہنا کر مسلمانوں کو بربر و وحشی، لٹیرا اور خونی اور سلامتی و امن و آشتی کے مذہب۔ دین فطرت اسلام کو غیر مذہب اور دہشت گردی کا مذہب قرار دینے میں اپنے تمامتر ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لا رہے ہیں۔

قبل اس کے کہ جہاد کے معنی پر بحث کی جائے اور اس کے برکات و فوائد ظاہر کیے جائیں ضروری ہے کہ ستیہ و اہنسا (Truth and non violence) کے نام نہاد علمبرداروں اور حقوق انسانی اور امن عالم کے جھوٹے دعویداروں کے وحشیانہ کارناموں کے چند نمونے پیش کرتے چلیں۔

(ا) قرون وسطیٰ میں جب صلیبی جنگوں (Crusades) کا طویل سلسلہ مسلمانوں پر مسلط کیا گیا تو مسلمان اپنی تعلیمات جہاد اسلامی کی رعایت میں اپنے عہد کی پابندی کرتے رہے مگر ان صلیبوں کا یہ عالم تھا کہ یہ مسلسل بدعہدی کے ذریعہ دہشت و بربریت اور خونریزی اور ہلاکت برپا کرتے رہے اور مظلوم مسلمانوں کے لہو سے اپنی خونیں پیاس بجھاتے رہے۔

یہ صلیبی جب اپنے دوسرے حملے میں معرۃ النعمان پہنچے اور وہاں کے مسلمانوں نے بحالت مجبوری ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کیا تو صلیبیوں نے بظاہر تو یہ معاہدہ کر لیا کہ اہل معرہ کی جان و مال اور عزت و آبرو پر کوئی حرف نہ آئے گا لیکن جب یہ صلیبی آبادی میں داخل ہوئے تو جور و ستم کا وہ خونی کھیل کھیلا کہ بوڑھوں، بچوں، اور عورتوں تک کو بھی نہیں بخشا، مکانات کو نذر آتش کر دیا اور اس طرح تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ آبادی کو قبرستان میں تبدیل کرنے کے بعد ظالم صلیبی بیت المقدس پر حملہ آور ہوئے۔ انبیاء اور مرسلین کی اس مقدس سرزمین کو ان درندوں نے انسانی خون سے رنگین کر دیا، شہر بیت المقدس اور حرم مسجد قدس مسلمانوں کا مذبح بنایا گیا۔ صلحاء اور زہاد کو بھی نہیں بخشا گیا۔ شہر کے گلی کوچے انسانی لاشوں سے پٹ گئے اور مسیحی سپاہیوں نے خون کے دریا میں رقص کر کے جشن فتح منایا۔ لیکن جب اسی بیت المقدس کو اسلامی سپہ سالار سلطان صلاح الدین نے اس ظلم عظیم کے نوے سال بعد ۱۱۸۷ء میں فتح کیا تو اسلامی رواداری اور امن پسندی کا وہ مظاہرہ کیا کہ خود عیسائیوں نے صلاح الدین ایوبی کی سلامتی کی دعائیں کیں۔

قسطنطنیہ جب چوتھے صلیبی جنگ کے موقع پر ۱۲۰۴ء میں مسیحیوں کے قبضہ میں آیا تو ان لوگوں نے (اومن کیتھولک عسائیوں نے) اپنے ہی مذہب کے پروٹسٹنٹ فرقے کے عسائیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اسے Histroy of Europe by H.A.L.Fisher سے سنئے

(a) In 1201 pope innocent III called for a further crusade .This mighty catholic army with the pope's blessing went to vemice enroute to jerusalem. Form there they made a sudden unexpected attack upon constantinpole, the capital of the Eastern catholic Roman empire .These crusaders attacked constantinpole in 1204 A.D and massacared its christian population for several days without even sharing the women and children .The Byzantanian catholics fled for their lines to Western Anatolia.From here these christians recaptured their capital in 1261 from the hands of these so

called holy crusaders of the pope . Constantinpole never recovered from its destruction by the Roman Catholics .This was the main cause of its fall into muslim hands in 1453A.D Since then it has formed a part of turkey. (H.A.L.Fisher: A Histroy of Europe.chapter xxll page 265)

یعنی ۱۲۰۱ میں پوپ انوسنٹ سوم نے دوبارہ صلیبی جنگ کی پکار کی۔طاقتور کیتھولک عیسائی فوج نے پوپ کی دعا کے سایہ میں براہ یروشلم (بیت المقدس) وینس کی طرف کوچ کیا جہاں سے انہوں نے مشرقی رومن کیتھولک سلطنت کی راجدھانی قسطنطنیہ پر اچانک غیر متوقع حملہ کر دیا (اور صلیبوں نے قسطنطنیہ کو تاراج کر ڈالا اور عورتوں اور بچوں کی رعایت کئے بغیر کئی دنوں تک عیسائی آبادی کا قتل عام کرتے رہے۔ بازنطینی عیسائی اپنی جان بچانے کے لئے مغربی اناطولیہ کی طرف بھاگ گئے۔ان بازنطینیوں نے ۱۲۶۱ء میں پوپ کے ان نام نہاد صلیبیوں کے قبضہ سے پھر سے قسطنطنیہ کو حاصل کیا۔لیکن اس کے بعد رومن کیتھولک کی تباہی وغارت گری سے قسطنطنیہ پھر کبھی بحال نہ ہو سکا اور یہی خاص سبب تھا کہ ۱۴۵۳ء میں مسلم فاتحین نے اس پر قبضہ کیا اور تب سے وہ ترکی کا حصہ بن گیا۔ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی مشہور مورخ شارل ڈیل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں راہبوں نے ان دردناک مناظر کو اپنی آنکھوں سے خود دیکھا وہ بیان کرتے ہیں کہ درحقیقت حضرت محمد ﷺ کے پیروکاروں نے اس شہر کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو خود مسیح علیہ السلام کے نام لیواؤں نے کیا۔(دکتور مصطفیٰ السباعی، من روائع حضارتنا)

مسلم فاتح کا سلوک: سلطان محمد فاتح جب بحیثیت فاتح قسطنطنیہ میں داخل ہوئے تو اسلامی رواداری، رحمدلی، فیاضی اور انسان دوستی کا وہ ثبوت دیا کہ بازنطینی اسی قسطنطنیہ کو اپنے لیے گہوارۂ امن سمجھنے لگے۔

بیسویں صدی میں یہود و نصاریٰ اور سنگھ پریوار کی بربریت کی ایک جھلک: پہلی اور دوسری جنگ عظیم جس میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، اٹلی وغیرہ بھی شامل تھے آگ اور بارود کا کھیل کھیل کر ان ملکوں نے کروڑوں انسانوں کا قتل عام کیا۔مولانا بدالقادری نے جو جائزہ پیش کیا ہے اس کی رو سے پہلی جنگ عظیم میں تہتر لاکھ بتیس ہزار انسان ہلاک ہوئے اور دوسری جنگ عظیم میں چار کروڑ چونتیس لاکھ تینتالیس ہزار گیارہ انسانی جانیں ضائع ہوگئیں۔ (کتاب اسلام اور امن عالم ص۔۱۵۵۔۱۵۶)

امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو بم گرائے ان کے مہلک اثرات سے ان شہروں میں آج بھی بیشتر بچے اپاہج پیدا ہوتے ہیں۔یہ ہے ان نصرانیوں کی درندگی کا ایک نمونہ۔امریکہ اور برطانیہ نے عربوں کی سرزمین پر بنام "اسرائیل" ایک نئے یہودی ملک کو جنم دیا۔لاکھوں فلسطینی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، بے گھر بے در ہوئے اور اسرائیل آج تک عربوں کی سرزمین پر ناسور بنا شرانگیز بکھیر رہا ہے اور عربوں کو اپنی دہشت گردی کا آئے دن شکار کرتا رہتا ہے، بیت المقدس کو بے حرمتی اور پامالی کے نت نئے نظارے دکھاتا رہتا ہے۔

برطانیہ بشمول ہندستان کتنے ملکوں کو طویل مدت تک غلاموں کی زنجیروں میں باندھ کر جور وستم کی چکی میں پیستا رہا۔جلیانوالہ باغ میں قتل عام کا وہ نظارہ پیش کیا کہ ان فرنگیوں کی درندگی پر شیطان بھی شرما گیا۔مساجد شہید کیں، مدارس برباد کئے، مسلم نوابوں کے ساتھ وحشیانہ اور بہیمانہ سلوک کیا امریکہ نے ویت نام پر برسوں تک جنگ مسلط کر کے جان ومال اور عزت وآبرو کی تباہی کا جو کھیل کھیلا اسے دیکھ کر انسانیت بلبلا اٹھی۔افغانستان اور عراق پر طاقت کے نشہ میں چور نصرانی ذریات امریکہ اور اس کے نصرانی حلیفوں نے قتل وغارت گری کا ریکارڈ توڑ دیا۔

فرقہ پرستوں نے ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک کے ۵۶ برسوں میں آزاد بھارت میں اقلیت پر فسادات مسلط کر کے انسانی سروں کی جو فصلیں اگائیں، عصمت کی چادروں کو جس طرح تار تار کیا، مسلمانوں کے لہو سے ہولی کھیلا، ان کے گھروں کو نذر آتش کر کے دیوالی منائی یہ سب تاریخ عالم کا ایک سیاہ باب ہے۔بابری مسجد کی شہادت، گجرات کے فسادات نے پوری دنیا میں بھارت کی امن پالیسی کی قلعی کھول دی اب آگے ان کے اور کیا منصوبے ہیں وہ بھی کسی ذی شعور ہندستانی سے پوشیدہ نہیں۔

زمانے کی نیرنگی۔ کیا الٹا زمانہ آگیا ہے   خرد کا نام رکھ دیا جنوں، جنوں کا خرد

تیرگی کے پجاری روشنی کے قاسم کو اندھیرے کا قیدی اور خود کو اجالے کا پروردہ بتا رہے ہیں۔ وحشی قومیں اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہی ہیں۔

اسلام اور انسانی اقدار کا تحفظ: یہ اسلام ہی ہے کہ جب اس کا سورج چمکا تو زمانے کو علم و اخلاق اور شرافت و تہذیب کی روشنی اسلام نے انسانوں کو زندگی اور بندگی کا شعور و سلیقہ عطا کیا، جہانگیری اور جہانبانی کے آداب سکھائے۔ آیئے دیکھئے اسلام کے نزدیک انسانی جان و مال، عزت و آبرو کی کیا قیمت ہے اور اسلام نے غیر مسلموں کے مذہب اور مذہبی رسوم کے تحفظ کی کیسی ضمانت دی ہے ملاحظہ کیجیے۔

(۱) جس نے کوئی جان قتل کی بغیر کسی جان کے بدلے یا زمین میں کسی فساد کے بغیر تو گویا اس نے سارے انسانوں کا قتل کیا اور جس نے کسی ایک جان کو ہلاکت سے بچالیا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو بچالیا (سورہ مائدہ۔۴)۔ (۲) حضور ﷺ نے فرمایا "تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اور تمام مخلوق میں خدا کا سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبے کو زیادہ نفع پہنچائے (طبرانی) (ب) سارے لوگ ایک کنبہ ہیں" (صحیح مسلم)

حقوق انسانی کے تعلق سے اسلامی قانون کا مختصر جائزہ: (۱) بے وجہ کسی انسان کو تکلیف نہ دی جائے اور اس کی جان و مال کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ (۲) کسی شرعی جواز کے بغیر کسی سے سخت کلامی نہ کی جائے نہ تذلیل کی جائے۔ (۳) ہر انسان کی بیماری، پریشانی، مصیبت، بھوک پیاس اور ناگہانی آفت میں مدد کی جائے۔ (۴) شرعی جواز کے سوا کسی حال میں کسی کو ایذا نہ دی جائے۔ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا ارشاد ہے "تم لوگ زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا" (سنن ابی داؤد، مشکوۃ) اسلام نے عصبیت، حسد، غیبت وغیرہ کی بھی مذمت کی ہے۔ (۱) حضور ﷺ نے فرمایا "اپنی قوم سے محبت رکھنا تعصب نہیں ہے البتہ ظلم میں اپنی قوم کی مدد کرنا تعصب ہے۔ (۲) قرآن کریم میں ارشاد ہوا "کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے عدل نہ کرو، ہر حال میں عدل کرو" یہ روش تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔" (سورہ مائدہ۔۸) (۳) قرآن میں صاف ارشاد ہوا "لا اکراہ فی الدین" دین میں کچھ زبردستی نہیں" (البقرہ: ۲۵۶) (۴) کتاب الاموال میں ہے "ان کے دین میں کسی قسم کی زبردستی نہ کی جائے" (کتاب الاموال لابی عبید ص: ۱۴۰)۔ (۵) انکے اور انکی شریعتوں کے درمیان حائل نہ ہوا جائے (تاریخ طبری) (۶) یہ لوگ (غیر مسلم) اپنی گواہی کے احکام، نکاح کے امور، وراثت کے قوانین اور دیگر تمام مذہبی احکام میں آزاد ہیں (کتاب الاموال) (۷) یہودیوں اور نصرانیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں، یہ لوگ ناقوس بجانے اور اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکے جائیں۔ یہ لوگ رات اور دن میں جب چاہیں عبادتی نمازوں کے اوقات کے علاوہ ناقوس بجائیں (کتاب الخراج) (۸) اسلام نے بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے (الاعراف: ۳۳) (۹) اسلام نے عیب جوئی کی سخت مذمت کی ہے (الحجرات ۱۲)، (۱۰) اسلام نے ذمی و معاہد کے جان و مال کو حرمت کا وہی مرتبہ دیا ہے جو مسلمان کی جان و مال کی حرمت ہے

اسلام نے بدعہدی کی سخت مذمت کی ہے، امانت میں خیانت کو حرام قرار دیا ہے، سود، شراب، زنا، بے حیائی وغیرہ کی سخت سزائیں رکھی ہیں۔ انسان تو انسان؛ جانوروں اور چاپایوں کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے جانوروں کے چہرے پر مارنے اور اسے داغنے سے منع فرمایا ہے۔ جانوروں سے ان کی طاقت سے زیادہ مشقت لینے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق بعض اوقات جانوروں کے ساتھ رحم و شفقت کے باعث انسان جنت کا مستحق بن جاتا ہے اور ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کی وجہ سے عذاب میں ڈالا جاتا ہے۔ اسلام نے صرف قوانین ہی نہیں بنائے ہیں بلکہ اسلام کے پیروؤں نے ہر دور میں ان پر عمل کر کے دکھایا بھی ہے۔

فتح مکہ اور عام معافی: مکہ معظمہ جو حضور ﷺ کا وطن مالوف تھا اسی مکہ سے کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کے نتیجے میں حکم الٰہی کے تحت آپ اور آپ کے اصحاب نے مدینہ کے لئے ہجرت فرمائی اور پھر جب آپ نے ۸ھ میں اسی مکہ کو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح کیا تو اعلان فرمادیا۔ "آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو" اسی بے مثال رواداری اور رحمت عالم کی دریا دلی پر اظہار خیال کرتے ہوئے اسٹینلے لین پول (Stanley

Lane Pole) کہتا ہے۔

"Facts are hard things and it is a fact that the day of Muhammad,s greatest triumph over his enemies was also the day of his grandest victory over himself .He freely forgave the Qureysh all the years of sorrow and cruel scorn they had inflicted on him: he gave amnesty to the whole population of Mekka"(Stanley Lane pole:the prophet and Islam)

''یعنی حقیقتیں بڑی سخت ہوتی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دشمن پر عظیم ترین فتح ونصرت کا دن خود ان کی اپنی ذات پر نہایت ہی شاندار کامیابی کا دن تھا۔آپ نے نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ان قریش کو معاف کر دیا جنہوں نے برسوں آپ کو غم والم میں مبتلا رکھا،نفرت وحقارت سے آپ کو دیکھا اور ظلم وستم ڈھائے۔آپ نے مکہ کی ساری آبادی کو عام معافی دے دی۔''

اس مثال سے دکھانا یہ مقصود ہے کہ دیکھنے والے حقوق انسانی نیز امن کے جھوٹے علمبرداروں کے چہرے بھی دیکھ لیں اور دین فطرت اسلام کے پیروؤں کے چہرے بھی دیکھ لیں اور فیصلہ کریں کہ صحیح معنوں میں دہشت گرد کون ہے۔اب آیئے جہاد کے معنی ومقصد کا جائزہ لیتے ہیں۔

جہاد کے آداب: آداب جہاد میں یہ بھی داخل ہے کہ جانوروں کو نہ مارا جائے۔ ہری بھری کھیتوں اور پھل دار درختوں کو برباد نہ کیا جائے۔ جو لوگ شامل جنگ نہ ہوں انہیں آزار نہ پہنچایا جائے کسی مقتول کی صورت نہ بگاڑی جائے۔لوگوں کے ساتھ بدعہدی اور خیانت نہ کی جائے،بوڑھوں ،بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے نہ ہی گوشہ نشین عابدوں کو۔

جہاد کیوں؟ جس طرح صحت مندی کے لئے غذا،بیماری کے لئے علاج،کھیتی کے لئے پانی ضرورت ہے اسی طرح شر وفساد،ظلم وعدوان اور ہر طرح کے کرپشن،بدعنوانی اور برائی کے انسداد کیلئے جہاد ضروری ہے۔آج کی دنیا کا کیا عالم ہے،کسی بھی ہوشمند انسان سے پوشیدہ نہیں! آج کی مادہ پرست دنیا میں روحانیت کا نام ونشان نہیں۔ظلم وعداون،بے عدلی نفرت ،تعصب،بے حیائی ،عریانیت ،زنا کاری ،ہم جنسی،شراب نوشی ،رشوت ستانی،سود خوری،غرضیکہ شیطنت عروج پر ہے۔بس یہ عالم ہے کہ:

ناریوں کا دور ہے دل جل رہا ہے نور کا

ایمان کی روشنی مدھم پڑ رہی ہے۔کفر والحاد کے اندھیرے تیز سے تیز تر ہو رہے ہیں۔ بھانت بھانت کت ازم سوشل ازم،کیپٹل ازم،فسطائیت (فاشسزم) سیکولرازم وغیرہ نظامہائے ملکی اسلامی اقدار کو پامال کر رہی ہیں۔ملکوں کی تقسیم جغرافیائی لحاظ سے جدا جدا قومیتوں کو جنم دے رہی ہے۔اس عالمی عذاب کو ختم کرنے کا نظام اور اس کے انسداد کی طاقت صرف اور صرف اسلام کے اندر ہے اور الہٰی نظام اور خدائی قانون کو رائج کرنے کی جدوجہد کا نام ''جہاد'' ہے۔جہاد دہشت گردی اور جور وستم نہیں بلکہ رحمت وبرکت ہے۔ جہاد ہر برائی کے ناسور کو کاٹ کر انسانیت کو جسم کو بچائے رکھنے اور اس کی سڑانڈ سے دنیا کو محفوظ رکھنے کے عمل جراحی کا نام ہے۔

جہاد امن وآشتی کا نور ہے سبب انتشار نہیں!

لیکن ہاں! مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ دین بیزاری،بے عملی،افتراق ونفاق اور مغرب کی پیروی کے حصار سے نکل کر اسلام کے سایہ،رحمت میں آجائیں۔خود کو زبان وقلم۔علم وعمل واخلاق سے آراستہ کریں اور اسلام میں پورے طور سے داخل ہو جائیں اور دنیا کو امن وآشتی کا گہوارہ بنادیں ۔

آج بھی ہو گر ابراہیم سا ایماں پیدا　　　　آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

حکایات رومی علیہ الرحمہ

مرتبہ: علامہ طالب ہاشمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک چوہے کا اونٹ کی نکیل کھینچنا: ایک چوہے کے ہاتھ اونٹ کی نکیل آ گئی وہ اسے پکڑ کر بڑے غرور سے اونٹ کے آگے آگے چلنے لگا اور دل میں خیال کیا کہ میں بڑا شہ زور ہوں جو اونٹ کو اس طرح کھینچے لیے جاتا ہوں۔ اونٹ بھی بڑا کائیاں تھا وہ سمجھ گیا کہ چوہے کے سر میں کیا ہوا سمائی ہوئی ہے۔ اس نے دل میں چوہے سے کہا بچہ جی جتنا جی چاہے اترا کے چل لے۔ تھوڑی ہی دیر میں تجھے ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ یاد کرے گا۔

دونوں اسی طرح رواں دواں تھے کہ راستے میں ایک بڑی ندی آ گئی۔ یہ اتنی گہری تھی کہ ہاتھی بھی ڈوب جاتا تھا۔ اس کو دیکھ کر چوہے کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ وہیں ٹھہر گیا۔ اونٹ نے کہا اے میرے جنگلوں اور پہاڑوں کے ساتھی تم ٹھہر کیوں گئے اور یہ حیرانی کیسی ہے؟ مردوں کی طرح آگے بڑھ کر ندی میں اترو۔ تم میرے رہنما اور پیش رو ہو۔ اس طرح راستہ کھوٹا نہ کرو۔ چوہے نے کہا یہ ندی بڑی چوڑی اور گہری ہے ڈرتا ہوں کہیں ڈوب نہ جاؤں اونٹ نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں کہ اس میں کتنا پانی ہے یہ کہہ کر اس نے پانی میں قدم رکھا اور کہا ارے تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہا ہے اس میں تو صرف گھٹنوں تک پانی ہے۔ چوہے نے کہا کہ جو چیز تیرے لئے چیونٹی ہے میرے لیے اژدہا ہے کیونکہ زانو زانو میں بڑا فرق ہے۔ اگر پانی تیرے گھٹنوں تک ہے تو میرے سر سے سو گز اونچا ہو جائے گا۔ اونٹ نے اب کڑک کر کہا کمبخت تو اسی بساط پر اکڑ رہا تھا خبردار آئندہ ایسا گھمنڈ نہ کرنا ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ تو اپنے جیسے چوہوں کی برابری کر۔ اونٹ سے تیرا کیا مقابلہ؟ چوہے نے کہا کہ میں نے توبہ کی اب خدا کے لیے اس خطرناک ندی سے مجھے پار کر دے۔ اونٹ کو رحم آ گیا اور کہا کہ آ اور کود کر میری کوہان پر بیٹھ جا۔ ندی نالے عبور کرنا میرا کام ہے اور تجھ جیسے لاکھوں کو میں پار لے جا سکتا ہوں۔ جب تو پیغمبر نہیں تو مقررہ راستہ اختیار کرتا کہ پستی سے بلندی پر پہنچے۔ اگر تو بادشاہ نہیں ہے تو رعیت بن کر رہ۔ اگر کشتی بان نہیں ہے تو کشتی نہ چلا۔ اگر آزاد نہیں ہے تو غلام بن کر رہ اور اطلس کو چھوڑ کر اپنی گدڑی سے کام رکھ۔

انصتوا را گوش کن خاموش باش   چون زبان حق نگشتی گوش باش

حکم الٰہی انصتوا سن اور خاموش ہو جا۔ اگر تو حق کی زبان نہیں ہے تو کان بن جا۔

درویشوں پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے: کچھ لوگ ایک کشتی پر سفر کر رہے تھے ان میں ایک درویش بھی تھا۔ اس کے پاس دنیاوی ساز و سامان کی بجائے محض فقر و غنا کی دولت تھی۔ راستے میں ایک شخص کی اشرفیوں کی تھیلی گم ہو گئی۔ سب مسافروں کی تلاشی لی گئی مگر گمشدہ تھیلی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس وقت وہ درویش سو رہا تھا۔ تھیلی کے مالک نے اس کو بھی جگایا اور کہا کہ ایک چرمی تھیلی گم ہو گئی ہے۔ ہم نے دوسرے سب مسافروں کی تلاشی لے لی ہے اب تمہاری باری ہے۔ ذرا گدڑی اتار کر برہنہ ہو جاؤ تا کہ تم سے لوگوں کی بدگمانی دور ہو جائے۔

یہ سن کر وہ درویش جلال میں آ گیا اور دعا کی کہ الٰہی یہ کمینے لوگ تیرے بندے پر تہمت دھرتے ہیں تو اس بارے میں اپنا حکم صادر فرما۔

یا غیاثی عند کل کربۃ   یا معاذی عند کل شدۃ

یا مجیبی عند کل دعوۃ   یا ملاذی عند کل محنۃ

(اے ہر دکھ میں میری فریاد سننے والے، اے ہر سختی کے وقت میری پناہ، اے میری ہر دعا کے قبول کرنے والے، اے ہر تکلیف میں میری یاوری کرنے والے۔)

جب درویش نے اس عجز اور درد کے ساتھ دعا مانگی تو اس گہرے دریا سے لاکھوں مچھلیوں نے ہر طرف سے سر نکالے جن میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک بیش بہا موتی تھا۔ اس درویش نے کچھ مچھلیوں کے منہ سے موتی لے کر کشتی میں پھینک دیئے اور چھلانگ لگا کر ہوا میں اس طرح چار زانوں بیٹھ گیا جیسے کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھا ہو وہ بلندی پر تھا اور کشتی نیچے اس کے سامنے تھی۔ اہل کشتی اس کی کرامت دیکھ کر دم بخود ہو گئے۔ درویش نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ کشتی تم کو مبارک ہو اور مجھ کو حق تعالےٰ۔ تم لوگوں میں ایک چور فقیر کی جگہ کہاں ہے؟ اب دیکھیں کہ اس جدائی سے کون گھاٹے میں رہتا ہے میں تو دنیاداروں سے دور ہو کر اور اللہ سے قریب ہو کر خوش ہوں میرا مولانہ مجھ پر چوری کی تہمت لگاتا ہے اور نہ مجھ کو ذلیل کرتا ہے۔ اہل کشتی یک زبان ہو کر پکارے کہ اے بزرگ آپ کو یہ بلند درجہ کیسے حاصل ہو گیا؟

درویش نے طنزاً کہا کہ ایک فقیر پر تہمت رکھنے سے اور ایک معمولی چیز کے لیے حق تعالیٰ کو ناراض کرنے سے؟ نہیں توبہ میں نے یہ درجہ بزرگوں کی تعظیم سے پایا ہے کیوں کہ میں درویشوں سے کبھی بدگمان نہیں ہوا۔ یہ درویش (اہل حق) ہی تو ہیں جن کی شان میں سورہ عبس نازل ہوئی۔ انہوں نے فقر اس لیے اختیار نہیں کیا کہ دنیا کے گورکھ دھندے میں پھنس جائیں بلکہ اس لئے کہ غیر اللہ سے بے نیاز ہو جائیں۔ میں ان لوگوں پر کوئی تہمت کیسے لگا سکتا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتوں طبقوں کے خزانوں کا امانت دار بنایا ہے۔

اہل حق کی برکت سے بیابان بھی گلزار بن جاتے ہیں: ایک باخدا بزرگ ایک بے آب و گیاہ ریگستان میں مصروف عبادت تھے اتفاق سے حاجیوں کا ایک قافلہ ادھر سے گزرا۔ اس وقت زمین تانبے کی طرح تپ رہی تھی لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ بزرگ گرم ریت پر نہایت اطمینان سے نماز ادا کر رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی سرسبز و شاداب باغ میں کھڑے ہیں۔ وہ حاجی بڑے ادب کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ یہ بزرگ نماز سے کب فارغ ہوتے ہیں جب انہوں نے سلام پھیرا تو حاجیوں کی حیرت میں یہ دیکھ کر اور بھی اضافہ ہو گیا کہ ان کا چہرا اور ہاتھ پانی سے تر ہیں کپڑوں میں بھی نمی کے آثار ہیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا انہوں نے تازہ وضو کیا ہے حاجیوں نے پوچھا یہ پانی کہاں سے آ گیا؟

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر جواب دیا یہ سب آسمان سے نازل ہوا۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ آپ جب چاہتے ہیں یہ پانی مل جاتا ہے یا کبھی آپ کی دعا رد بھی ہو جاتی ہے۔ اے دین کے بادشاہ ہماری مشکل کو حل فرمائیں تا کہ آپ کے حال سے ہمارا یقین بڑھے۔ اس بھید کو آپ ظاہر فرمائیں تا کہ ہمارے دلوں سے زنگ دور ہو۔ بزرگ نے آسمان کی طرف آنکھیں اٹھائیں اور دعا کی کہ اے دو جہان کے مالک ان حاجیوں کی دعا قبول فرما۔ تو نے بلندی سے رزق کا دروازہ جیسے مجھ پر کھول رکھا ہے ان پر بھی کھول دے۔

بزرگ کے دعا مانگنے کی دیر تھی کہ سیاہ بادل سروں پر چھا گیا اور اس زور کی بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے۔ حاجیوں کے دل پھول کی طرح کھل گئے اور انہوں نے اپنی مشکیں بارش کے پانی سے بھر لیں۔ یہ کرامت دیکھ کر ان میں سے کچھ لوگوں نے ظاہر پرستی کے بت کو توڑ دیا اور کچھ لوگوں کے دل حق تعالیٰ اور اس کے پیارے بندوں پر اعتماد اور یقین کے نور سے معمور ہو گئے۔ البتہ کچھ لوگ اس کرامت کو دیکھ کر بھی کچے پھل کی طرح کھٹے ہی رہے اور ہمیشہ کے لیے ناقص رہ گئے۔

ایک خدا ترس قاضی اور اس کا نائب: ایک شخص کا مسند قضا پر تقرر ہوا تو وہ رونے لگا۔ اس کے نائب نے کہا قاضی صاحب آپ کے رونے کا کیا سبب ہے یہ تو خوشی اور مبارک باد کا وقت ہے نہ کہ رونے کا۔ قاضی نے کہا مجھ پر بڑی بھاری ذمہ داری آ پڑی ہے بھلا ان دو شخصوں کے درمیان میں کیسے فیصلہ کروں گا جو اصل معاملہ سے باخبر ہیں اور مجھے اس کا مطلق کوئی علم نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مقدمہ کے فریقین کو تو حقیقت حال کا علم ہے لیکن قاضی بے چارہ جو ان کے حال سے جاہل اور غافل ہے ان کے خون اور مال کے بارے میں کیسے فیصلہ صادر کرے گا۔ ذمہ داری کے اسی بوجھ نے مجھے رلا دیا ہے۔ نائب نے کہا یہ صحیح ہے کہ دونوں فریقوں کو اصل واقعہ کا علم ہے لیکن وہ خود غرضی میں مبتلا ہیں اس کے برعکس آپ اصل واقعہ سے بے خبر ہیں لیکن لالچ اور غرض سے آپ کا دل خالی ہے۔ وہ باخبر تو ہیں لیکن خود غرضی نے ان کو اندھا کر دیا ہے اور ان کی باخبری کے وصف کو خاک میں ملا دیا ہے۔

جہل را بے علتی عالم کند　　　　علم را علت زدلہا بر کند

بے غرضی ایک جاہل مطلق کو بھی عالم بنا دیتی ہے اور خود غرضی علم کو بھی دلوں سے دور کر دیتی ہے۔

آب حیات کی خاصیت والا درخت: ایک دانا نے تمثیل کے طور پر بیان کیا کہ ہندوستان میں ایک ایسا درخت ہے کہ جو شخص ایک بار اس کا میوہ کھا لے وہ نہ کبھی بوڑھا ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ ایک بادشاہ نے ایک راستباز آدمی سے یہ تمثیل سن کر اس کو سچ سمجھ لیا اور اس درخت اور اس کے پھل کا مشتاق ہو گیا۔ اس نے اپنے وزیروں میں سے ایک زیرک وزیر کو قاصد بنا کر اس درخت کی تلاش میں ہندوستان روانہ کیا اس قاصد نے اس درخت کی تلاش میں ہندوستان کا چپہ چپہ چھان مارا کوئی شہر، جزیرہ، پہاڑ اور جنگل ایسا نہ تھا جس میں وہ نہ گیا ہو وہ جس سے اس درخت کا پتہ پوچھتا وہ اس کا تمسخر اڑاتا اور کہتا کہ ایسے درخت کی جستجو تو وہی کرے گا جو عقل و خرد سے عاری ہو چکا ہو اور پاگل خانے میں بھیجے جانے کے لائق ہو۔ بعض ایسے بھی تھے جو اس کے استفسار پر ہنسی ہنسی میں اس کو تھپڑ رسید کرنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے کچھ اس کو بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ تیرے جیسے روشن ضمیر اور ہوشیار آدمی کی کوشش بھلا کب رائیگاں جا سکتی ہے تو ضرور اپنی جستجو میں کامیاب ہو گا۔ بعض ستم ظریف اس کو بتاتے کہ جناب والا فلاں جگہ ایک ایسا ہی عظیم الشان درخت تھا لیکن اب اس کا پتہ نہیں تاہم فلاں جنگل میں ایک ہرا ابھرا درخت موجود ہے جس کا تنا بہت بلند اور ہولناک ہے اور اس کی شاخیں بہت موٹی اور سخت ہیں آپ ضرور وہاں جائیں قاصد کو تو کسی جگہ جانے سے عار نہ تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ کوئی صحیح پتہ نہ بتاتا تھا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ اصل میں سب اس سے دل لگی کرتے تھے۔ مگر وہ بھی اپنی دھن کا پکا تھا اس درخت کی تلاش ترک نہ کی اور بادشاہ بھی اس کو برابر خرچ بھیجتا رہا جب کئی برس اسی طرح گزر گئے اور گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا تو بے چارا قاصد مایوس ہو گیا اور بہ صد حسرت و یاس وطن واپس چل پڑا۔ چلتے چلتے اس کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں ایک خدا رسیدہ

بزرگ رہتے تھے ان کے علم وفضل اور کشف وکرامات کی بڑی شہرت تھی۔قاصد نے دل میں سوچا کہ مجھے ان بزرگ کی خدمت میں جانا چاہئے ہوسکتا ہے کہ ان کے در سے مجھے گوہر مقصود کا سراغ مل جائے اور میں صحیح سمت میں چلنے لگوں شاید ان کی دعا ہی سے میرا بگڑا کام بن جائے یہ سوچ کر وہ روتا ہوا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے رحم اور شفقت کا طالب ہوا۔انہوں نے پوچھا کہ تو اتنا نا امید کیوں ہے اور تجھے کیا شے درکار ہے۔ذرا مفصل کہو؟

اس نے عرض کی کہ بادشاہ نے مجھے ایک درخت کی تلاش پر مامور کیا ہے کہ جس کا پھل آب حیات کی خاصیت رکھتا ہے میں نے کئی برس اس کی تلاش میں صرف کردیئے لیکن لوگوں کے طعن وتمسخر کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔یہ سن کر وہ بزرگ ہنس پڑے اور فرمایا، اے سادہ دل دانا یہ تو علم کا درخت ہے جو بڑا بلند، بڑا ٹھوس اور بڑے پھیلاؤ والا ہے۔فی الحقیقت وہ حق تعالیٰ کی رحمت کے بحر بیکراں سے نکلا ہوا ''آب حیات'' کا سرچشمہ ہے۔ارے نیک بخت تو نے اس کو ظاہری درخت سمجھا اور اس کی حقیقت سے بے خبر رہا۔بھلا ایسی خاصیت والا ظاہری درخت تم کو کیسے ملتا سنو!علم کے کئی نام ہیں کبھی اس کو درخت کا نام دیتے ہیں، کبھی آفتاب کا اور کبھی سمندر کا۔غرض علم وہ شے ہے جس کی لاکھوں صفات ہیں۔ان میں سے سب سے ادنیٰ صفت اس (علم) کی بدولت حیات جاوداں کا حاصل ہونا ہے۔تم اگر ظاہری درخت ڈھونڈتے رہوگے تو کبھی کامیاب نہ ہوگے، اے جوان جا اور اس کی حقیقت کو ڈھونڈ

صورت وہیہات بود چوں قشر وپوست — معنی اندروے چوں مغز اے یار دست
درگزر از نام وبنگر در صفات — تا صفات رہ نماید سوئے ذات

اے پیارے اے دوست صورت وشکل تو چھلکا اور پوست ہے اور اس کے اندر معنی گویا مغز کی مانند ہیں۔نام کو چھوڑ اور صفت میں غور کرتا کہ صفات تجھے ذات حق کی طرف پہنچنے کا راستہ دکھائیں۔

ایک فلسفی کا آیت قرآنی سے انکار: ایک قاری بلند آواز سے قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا تھا ایک فلسفی ادھر سے گزرا جب قاری نے یہ آیت پڑھی،

قل ارء یتم ان اصبح ماء کم غورا فمن یا تیکم بماء معین (سورہ الملک ع ۲)۔

(اے رسول ان سے کہو کہ بھلا دیکھو تو یہ تمہارا پانی (جو تم پیتے ہو) خشک ہوجائے تو پھر کون ہے جو تمہارے لیے پانی کے چشمے جاری کردے)

تو فلسفی کہنے لگا ہم زمین کو کدال سے کھودیں گے اور اس کی تہہ سے پانی اوپر کھینچ لائیں گے۔

رات کو سویا تو ایک بزرگ خواب میں تشریف لائے اور اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ فلسفی کی بصارت زائل ہوگی پھر وہ اس سے فرمانے لگے کہ اے بدبخت اگر تو سچا ہے تو ان آنکھوں کے چشموں میں بھی پانی لا۔صبح کو بیدار ہوا تو خواب کا ماجرا حقیقت بن کر سامنے آگیا بصیرت سے تو پہلے ہی محروم تھا اب بصارت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔بدبخت کی عقل پر فلسفہ نے پردہ ڈال دیا تھا ورنہ اب بھی بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر استغفار کرتا اور روتا تو دریائے رحمت جوش میں آجاتا اور اس کی آنکھوں کا نور واپس آجاتا۔

قائد اعظم ایک محسن

حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ القوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

'الحقیقہ' کا موجودہ شمارہ ماہ دسمبر سے متعلق ہے۔ ۱۸۷۶ء کے اسی مہینے کی ۲۵ تاریخ کو ملت اسلامیہ کے عظیم رہنما جناب محمد علی جناح علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ملت اسلامیہ کی تاریخ کے وہ رہنما جنھوں نے اپنے اپنے دور میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، وہ سب کے سب عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی دولت سے مالا مال تھے۔ اور حقیقت یہ ہے اسی عشق کی برکت تھی کہ انھیں اس قسم کی عظیم سعادتیں نصیب ہوئیں۔ نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، اورنگ زیب عالمگیر اور احمد شاہ ابدالی علیہم الرحمہ جیسے حضرات کو عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ہی نے قوت وغلبہ عطا کیا تھا اور اسی کی برکت سے ان کا نام تاریخ اسلام میں نہایت ہی درخشاں ہے۔ ماضی قریب میں مفکر پاکستان حکیم الامت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ اور قائد اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ ایسی ہی مقدس شخصیات کی یادگار تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے جس عزم وحوصلہ سے اپنی جانیں جانِ آفریں کی راہ میں قربان کی تھیں، اس کی قبولیت کا نتیجہ تھا کہ اعلیحضرت فاضل بریلوی جیسے فقیہ ومحدث، حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ جیسے شاعر وفلسفی اور حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ جیسے سیاسی رہنما پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی پوری زندگی ملت اسلامیہ کی خدمت وقیادت کے لئے وقف کردی اور ان کا اثر یہ ہوا کہ انگریزوں کے زرخرید ملا جو مذہبی انتشار پھیلانا چاہتے تھے، مجدد بریلی نے 'سواد اعظم' کو ان کے فریب سے بچالیا، تعلیمی اداروں میں اسلام کے خلاف ملت اسلامیہ کے نونہالوں میں جو احساس کہتری پیدا کیا جارہا تھا۔ حکیم الامت نے اس محاذ پر باطل کو شکست دی اور سیاست کے میدان میں انگریز اور ہندو جو سازشیں مسلمانوں کے خلاف کررہے تھے، انھیں قائد اعظم علیہ الرحمہ نے ناکام کردیا، ان تینوں کے حالات زندگی پر غور کیجئے، ہر ایک نے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا جذبۂ صادقہ، صالحہ پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ ہاں ہاں یہ اعلیحضرت بریلوی تھے جنھوں نے بارگاہ حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء میں عرض کی تھی۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا　　نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا　　کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

یہ حکیم الامت اقبال تھے جنھوں نے نئی تہذیب کے اسیروں اور حرم مغرب کے پرستاروں کے خلاف دوٹوک نفرت کا اظہار کیا اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے در سے وابستگی کا اعلان یوں کیا۔

ے　یہ زائران حریم مغرب، ہزاروں رہبر بنیں ہمارے!!
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا، جو تجھ سے ناآشنا رہے ہیں

اور یہ قائد اعظم تھے جنھوں نے اسی نظریے کو پروان چڑھایا اور دوقومی نظریے ہی کو نظریۂ پاکستان قرار دیا۔ یعنی جو حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے غلام ہیں، اصل وہی ایک قوم ہیں اور جو اللہ کے محبوب اکبر واعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے رشتہ غلامی سے وابستہ نہیں وہ دوسری قوم ہیں۔ یہ بات کسے معلوم نہیں اعلیحضرت بریلوی جن پر خواجہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خصوصی نظر رحمت تھی۔ ان تمام طاقتوں پر غالب آ

ئے جو کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ماننے کے باوجود حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی عظمتوں سے بغاوت پر آمادہ تھیں، علامہ اقبال نے ان تمام پروفیسروں، منکروں اور فلسفیوں کی کاوشوں کو بے اثر بنادیا جو امت مسلمہ کو نئی نئی فکری پگڈنڈیوں پر ڈال رہے تھے اور قائد اعظم سیاست کے بڑے بڑے جغادری پہلوانوں کو چاروں شانے چت گرادیا اور اپنے نبی علیہ السلام کی امت کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے انھیں نا قابل تسخیر قوت بنادیا۔ متحدہ برصغیر کے انگریز وائسرائے موٹ بیٹن کا اعتراف حقیقت ملاحظہ ہو۔

''برطانوی حکومت کا منشا یہ تھا کہ ہندوستان متحد رہے، لیکن ایسا صرف قائد اعظم علیہ الرحمہ کی وجہ سے نہ ہو سکا، اس نے اپنے انٹرویو میں کہا ہے''۔

''مجھے صرف اس مقصد کے لئے ہندوستان بھیجا گیا تھا، کہ میں اس ملک کو کسی نہ کسی طریق سے متحد رکھوں، اور متحدہ ہندوستان ہی کو اقتدار منتقل کروں، ہم دو سال بعد اس عظیم ملک کو چھوڑ رہے تھے، اگر ہم اسے متحدہ ہند کی صورت میں چھوڑنے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ نہ صرف اعلیٰ گورنمنٹ کا تاریخ معرکہ ہوتا، ہندوستان کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا، میرے نزدیک ایک الم انگیز حادثہ تھا۔ جس سے اس متحدہ ملک کی قوت پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ میں نے اس مقصد کے لئے بھرپور کوشش کی، دن رات ایک کر دیے راتوں کی نیند حرام کر دی، لیکن میرے اس مقصد کی راہ میں ایک ہی شخص حائل تھا۔ جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنے کھڑا تھا، جو چٹان کی طرح میرے مقصد میں سد راہ تھا،'' قائد اعظم علیہ الرحمہ'' مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ''۔ ماؤنٹ بیٹن نے محض اس خیال سے کہ'' میں اب عمر کے آخری دور میں داخل ہو گیا ہوں، بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اس عمر میں غلط بات نہیں کہوں گا، قائد اعظم علیہ الرحمہ کے متعلق کہا تھا۔ میں تمام سیاسی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا، مسٹر محمد علی جناح کی ذات اور شخصیت تھی، اس میں میں نے منافقت کا شائبہ تک نہ دیکھا، اتنا بلند کردار انسان اور قومی لیڈر شائد ہی مسلمانوں کو دوبارہ ملے۔'' (لاثانی قائد بحوالہ ملت کا پاسباں)

یہ مخالفوں پر غالب آنے والے قائد اعظم علیہ الرحمہ کا جذبہ کیا تھا۔ میرے استاذ گرامی حضرت مولانا محمد بخش مسلم علیہ الرحمہ جو ان تینوں مقدس لوگوں کے دام محبت میں اسیر تھے، اور خصوصاً دونوں آخرالذکر شخصیتوں کے دست راست تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔

ایک شخص نے حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ آپ نے پاکستان کیوں بنایا تو فرمایا، میں کامیاب وکیل ہوں اور کامیاب وکیل وہ ہوتا ہے جو جج کی افتادِ طبع اور طرز فکر کو سامنے رکھے۔ میرا یقین ہے کہ روز قیامت کا بھی ایک جج ہے، اس کا طرز عمل یہ ہے کہ کوئی اس کے سامنے اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لے تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن مجھ سے وہ پوچھے کہ محمد علی جناح تو نے کیا کیا۔ میں عرض کروں گا کہ تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے امتیوں کے لئے پاکستان بنایا۔ سو جب میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا نام لوں گا تو وہ میرے گناہ بھی معاف کر دے گا۔

آیئے اپنے سینے میں قائد اعظم علیہ الرحمہ کی غیرت عشق بیدار کریں اور جو لوگ پاکستان کے مخالف رہے یا اب ہیں، انھیں غدار سمجھیں۔ افسوس قوم کا حافظہ بہت کمزور ہے، اپنے رہنماؤں کو بھول جاتی ہے اور غداروں کو بھی فراموش کر دیتی ہے۔ آج ہمارے نصاب کی کتابوں میں جنگ آزادی کے مجاہدین کی بجائے عموماً غداروں کو ہیرو قرار دیا جا رہا ہے اور پاکستان کے مخالفوں اور قائد اعظم علیہ الرحمہ کو کافر اعظم کہنے والوں کو پھر عظیم رہنما کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

قائداعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کردار

جناب نظر زیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نور ایمان صرف دینی اصطلاح نہیں بلکہ ایک محسوس سچائی ہے۔ جب یہ نور دل کو منور کرتا ہے تو انسان کی پوری شخصیت اجالے میں آجاتی ہے اور وہ محیر العقول کارنامے انجام دینے کے قابل بن جاتا ہے۔ اگرچہ یہ انسان کی ایک خالص داخلی کیفیت ہے، لیکن ظاہر میں بھی اسی کے اثرات مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔ اللہ پاک اپنی خاص رحمت سے جس شخص کو یہ نور عطا فرماتا ہے اس کی زندگی میں ایک خاص اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسے خوب سے رغبت اور ناخوب سے شدید نفرت ہو جاتی ہے۔ ادنیٰ سی برائی میں بھی ملوث ہونا اسے ایسا لگتا ہے گویا اس کے وجود کو آگ میں جلایا جارہا ہے، اسی طرح ادنیٰ سی نیکی بھی اسے زندگی کی بہت بڑی سعادت نظر آتی ہے اور وہ اپنی جسمانی اور روحانی تمام قوتوں کے ساتھ اسے انجام دینے کے لئے تگ ودو کرتا ہے۔

اسی نقطۂ نظر سے قائداعظم کی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو ان کی ذات از اول تا آخر نور ایمان سے جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بے شک ان کا رہن سہن کسی زمانے میں ان لوگوں جیسا تھا جنہوں نے یورپی تہذیب وثقافت کو قبول کرلیا تھا، لیکن ان کا دل پوری طرح مسلمان تھا۔ ایسا مسلمان کہ اپنی ملت کی کھوئی ہوئی عظمت کی بازیابی کے لئے جدوجہد ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن گیا تھا۔ انہوں نے یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کردیں اور بالآخر اسے حاصل کر کے رہے۔

قائداعظم کی نوعمری کا واقعہ ہے جب وہ بمبئی کے ایک سکول میں زیر تعلیم تھے، ایک دن سکول جارہے تھے کہ ان کے قریب سے ایک وکٹوریہ گزری صورت یہ تھی کہ چھوٹی عمر کے کئی بچے گاڑی کے پچھلے حصے سے چمٹے ہوئے تھے اور کوچوان انہیں بھگانے کی کوشش کررہا تھا۔ جس وقت گاڑی نوعمر محمد علی کے قریب سے گزری اس کا ہندو کوچوان نفرت بھری آواز میں کہہ رہا تھا "ضرور تم مسلمانوں کے بچے ہو اسی لئے اس قدر بدتمیز ہو"

یہ تبصرہ صورت حال کے خلاف نہ تھا، غلامی کی نحوستوں میں آنے کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کی غالب اکثریت مفلسی کا شکار ہوگئی تھی اور اس لعنت نے انہیں ہر قسم کی اخلاقی برائیوں میں مبتلا کردیا تھا۔ بالخصوص نچلے طبقے کا تو برا ہی حال تھا۔ مرد اور عورتیں دن رات پیٹ بھرنے کے لئے محنت مزدوری میں مصروف رہتے تھے اور ان کے بچے سڑکوں پر آوارہ پھرتے تھے۔

یہ بچے اسی طبقے کے تھے۔ قائداعظم کی عمر اس وقت اتنی نہ تھی کہ وہ تمام حالات کا تجزیہ کر کے کوئی نتیجہ نکالتے، لیکن اس عمر میں بھی ان کا دل ملی غیرت اور ایمانی حرارت سے روشن تھا۔ انہوں نے یہ بات پوری طرح محسوس کی کہ ایک ہندو کوچوان نے مسلمان بچوں کو پست اخلاق ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اسی وقت اپنے دل میں پختہ ارادہ کرلیا:

"میں بڑا ہو کر اس بات کی پوری پوری کوشش کروں گا کہ میری قوم کی حالت سدھر جائے اور کوئی بھی مسلمانوں کو اس قسم کا طعنہ نہ دے سکے"

یہ غیرت اور یہ احساس دراصل اس نورِ ایمان کا بیج تھا جو محمد علی جناح کی عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا، پروان چڑھتا گیا۔ یہاں تک

کہ ان کا تشخص اور ان کی سب سے بڑی پہچان بن گیا۔

اس نور ایمان نے انہیں آزادی کا پرستار بنا کر دادا بھائی نوروجی کا پرجوش والنٹیر بنایا، اسی نے انہیں وطن کی محبت، ملی احساس اور اسلام کا عشق عطا کیا اور یہی حصول پاکستان کی جنگ لڑنے کا سب سے بڑا محرک ثابت ہوا۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حصول پاکستان کی جنگ محض سیاسی یا اقتصادی تھی وہ سخت غلطی پر ہیں، یہ یقیناً ایک مقدس دینی جنگ تھی اور قائداعظم اسے اپنے دین کی سربلندی اور ملت کی سرخروئی کے لئے لڑ رہے تھے۔

فکر کی گہرائی اور گیرائی، کردار کی بلندی، بے خوفی، مقصد کی لگن، قربانی کا جذبہ، اپنے مذہب کی حقانیت پر پختہ یقین اور اپنی ملت کی سرفرازی کا ارمان یہ سب نور ایمان ہی کی عطا و بخشش تھی۔ اس نور نے ان کے دل و دماغ کو ایسی جلا بخشی کہ وہ ایک تاریخ ساز شخصیت کے مالک بن گئے۔

انہوں نے سیاست کو جسے بالعموم دھوکہ بازی کا کھیل قرار دیا جاتا ہے، شرافت کا مرتبہ بخش دیا اور بلند کرداری کے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ ان کے قدموں کا ہر نشان انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلہ کے لئے نشانِ راہ بن گیا۔

بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن نے طاقت کے نشے میں بدمست ہو کر آزادی کی جنگ لڑنے والے ہندوستانیوں کو موقع شناس ہونے کا طعنہ دیا تو محمد علی جناح نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اور اس کے حواریوں کو ایسا سبق دیا کہ یہ واقعہ تاریخ حریت کا ایک مستقل باب بن گیا۔ جب یہ گورنر اپنی مدت ملازمت ختم کر کے رخصت ہونے لگا اور سرکار پرستوں نے اس اعزاز میں جلسہ منعقد کر کے بمبئی کے شہریوں کی طرف سے اس خوشنودی کی سند دینی چاہی تو قائداعظم اور ان کی بیگم صاحبہ نے ٹاؤن ہال پر قبضہ کر کے اس کوشش کو ناکام بنا دیا اور اس جرات مندانہ کارنامے پر قوم نے بمبئی میں جناح ہال تعمیر کر کے ان کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا۔

وزیراعظم برطانیہ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے اپنے آزمودہ طریقہ کار کے مطابق ایک موقع پر قائداعظم کو لالچ دے کر اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی اور اشارتاً ہندوستان کے کسی صوبے کا گورنر بنا دینے کی پیشکش کی تو قائداعظم نے اس پیشکش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور فرمایا:

''کیا آپ رشوت دے کر مجھے اپنا ہمنوا بنانا چاہتے ہیں، غور سے سن لیجئے میں آپ کے دام میں نہیں آؤں گا''

حکمران انگریزوں اور طاقتور برادران وطن نے حصول پاکستان کو ایک ناقابل عمل مطالبہ قرار دیا، اسے دیوانے کا خواب تک کہا گیا، لیکن قائداعظم نے قیام پاکستان کو اس ملک کے سیاسی مسائل کا سب سے اچھا حل قرار دیا اور اپنے دونوں طاقتور حریفوں کو صاف لفظوں میں بتا دیا کہ برصغیر ہند کے مسلمان اس سے کم کی بات پر رضامند نہ ہوں گے۔ ۱۹۴۶ء میں قیصر باغ بمبئی کے عظیم الشان جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے راستے میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی چیز ہمیں ہمارے نصب العین سے منحرف کر سکتی ہے۔ ہم تمام رکاوٹوں کا مقابلہ کریں گے، مصائب جھیلیں گے، یہاں تک کہ آگ کے شعلوں کو بھی پار کر کے نکل جائیں گے۔ راستے میں ہمیں ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑے گا، ہمیں نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا، لیکن کوئی چیز ہمارے راستے میں حائل نہ ہو گی، کوئی چیز ہمیں مغلوب نہ کر سکے گی، ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے، دس کروڑ مسلمانوں کی زندہ و جاوید قوم مٹائی نہیں جا سکتی۔ خواہ ہمیں کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑے، ہم پاکستان لے کر رہیں گے۔ پاکستان کے بغیر مسلمان تباہ و برباد ہو جائیں گے''

اور دنیا نے دیکھا کہ ایک نحیف الجثہ شخص کہ یہ توانا آواز پورے ملک میں گونج گئی اور ان کی پیشینگوئی پوری ہو کر رہی۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد اس کے کھلے اور چھپے دشمنوں نے ان مقاصد سے روگردانی کی کوشش کی جو اس کے قیام کی اصل بنیاد تھے۔ یہ لوگ نہایت چالاکی سے ملک کے عوام کی سوچ کا رخ موڑنا چاہتے تھے۔ قائداعظم نے اس خطرے کے ظاہر ہوتے ہی اس کی طرف توجہ فرمائی اور ایسا کارگر علاج تجویز فرمایا کہ اگر ہم بے عملی کی لعنت میں گرفتار نہ ہو جاتے تو سرے سے کوئی فتنہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ آپ نے ۱۹۴۸ء میں ڈھاکہ کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ میں مانتا ہوں کہ یہ اپنی جگہ وحدتیں ہیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کیا آپ وہ سبق بھول گئے جو تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا۔ اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں کہوں گا یہاں آپ سب باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں بنگال کے اصل باشندے کون تھے؟ وہ ہرگز نہیں تھے جو آج بنگال میں رہتے ہیں۔ پس یہ کہنے کا آخر کیا فائدہ ہے کہ ہم پنجابی ہیں، ہم سندھی ہیں، ہم پٹھان ہیں۔ نہیں ہم سب مسلمان ہیں، اسلام نے ہمیں یہی سبق دیا ہے اور آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ خواہ کچھ بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں آپ اول تا آخر مسلمان ہیں۔ آپ ایک باقاعدہ قوم ہیں۔ اب آپ نے ایک وسیع علاقے پر تسلط قائم کر لیا ہے جو آپ کا اپنا ہے۔ یہ پنجابیوں کا ہے نہ سندھیوں کا، یہ پٹھانوں کا ہے نہ بنگالیوں کا۔ یہ آپ سب کا ہے، آپ کی اپنی ایک مرکزی حکومت ہے۔ جس میں ان جغرافیائی وحدتوں کو نمائندگی حاصل ہے۔ اس لئے اگر آپ خود کو ایک قوم ایک عظیم قوم کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو خدا کے لئے اس صوبائی عصبیت کو فوراً ترک کر دیجئے۔''

قائداعظم کے ذہن میں پاکستان کے ایک مثالی اسلامی ملک ہونے کا تصور کس قدر روشن تھا اس کا اندازہ آپ کے اس ارشاد سے بخوبی ہوتا ہے، مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۴۳ء میں فرمایا:

''وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے کے بعد تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہو جاتے ہیں۔ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس ملت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک امت!''

قائداعظم کی سیرت و کردار کی ان جھلکیوں اور ارشادات کے مختصر اقتباسات ہی سے ان کی ایمانی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اگر قوم نے اسی صراط مستقیم پر سفر جاری رکھا ہوتا جس کی طرف انہوں نے بلایا تھا تو ہمارا یہ نوزائیدہ ملک اس قلیل مدت ہی میں ایک انتہائی خوش حال اور ایسا مضبوط ملک بن جاتا کہ دشمن اس کی طرف میلی نظر سے دیکھنے کی بھی ہمت نہ کر سکتے۔ یہ اندرونی اور بیرونی خطرات جن میں ہم خود کو گھرا ہوا پا رہے ہیں سرے سے پیدا ہی نہ ہوتے۔

ماضی میں جو رسوائیاں ہمارا مقدر بنیں اور جو مجبوریاں ہمارے پیروں کی بیڑیاں بنیں ان کی تلخ یادیں ذہنوں میں محفوظ رکھنا ضروری ہیں کہ سوئی ہوئی غیرت کو جگانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اپنے مستقبل کی طرف سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر ہم آج بھی اپنے اصل مقاصد کی طرف لوٹنے کا عزم کر لیں تو کل کا سورج نئی تابانیاں لئے ہوئے طلوع ہوگا اور پاکستان بالیقین ویسا ہی عظیم ملک بن جائے گا جس کا یقین قائداعظم نے دلایا تھا۔ یہ اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کی عظمت کا ایسا روشن ثبوت ہوگا کہ پوری دنیا اسے عقیدت سے سلام کرے گی۔

یکبارگی دی گئی تین طلاقوں کا ایک کہنا

قرآن و حدیث کا انکار ہے

مفتی ابن مفتی، مناظر اسلام حضرت علامہ شفقات احمد مجددی نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقل قرآن وحدیث کے درحقیقت منکروں اور بزعم خود حاملین وداعی کتاب وسنت نام نہاد جماعت کی طرف سے یکبارگی دی گئی تین طلاقوں کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس طرح صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث، تفاسیر اور تقریباً سات سو سال تک کے تمام ائمہ کرام کے اجماع اور آٹھویں صدی ہجری سے لے کر آج تک سوائے ابن تیمیہ کے مقلدین کے تمام اکابرین اسلام کا بالاتفاق یہ فتویٰ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ بھی تین ہی شمار ہوں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام لاریب میں اس کے متعلق فتویٰ دیا ہوا ہے ارشاد خداوندی ہے "الطلاق مرتان۔ بقرہ نمبر ۲۲۹) یعنی ایسی طلاق جس کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے وہ تو صرف دو دفعہ تک ہی ہے پھر اگر مرد تیسری طلاق بھی دیدیتا ہے تو اب "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (بقرہ ۲۳۰) کے مطابق وہ مطلقہ ثلاثہ عورت اس خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ عورت کسی اور مرد سے شادی نہ کرے اور بعد صحبت کے وہ اسے طلاق دے یا وہ مر جائے تو بعد شرعی عدت گزارنے کے وہ عورت اب پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے اس کے علاوہ مطلقہ ثلاثہ کی اپنے خاوند سے رجوع کی اسلام میں اور کوئی صورت نہیں ہے اور یہ طلاقیں علیحدہ علیحدہ ماہ بماہ دی جائیں یا یکبار دے دی جائیں بہرصورت جدائی ہو جائے گی اور اگر "الطلاق مرتان" سے مرۃ بعد مرۃ ہی مراد لیا جائے تو اگر کوئی شخص علیحدہ علیحدہ الفاظ سے یا ایک صبح ایک دو پہر اور ایک شام کو دے یا ایک آج ایک کل اور ایک پرسوں دیدے تو کیا وہ مرۃ بعد مرۃ بن جائیگا یا نہیں؟ اور کیا یہ تین مختلف اوقات میں دی گئیں تین طلاقیں تین شمار ہو جائیں گی؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ لغوی طور پر کون سا مانع ہے بلکہ آپ کے علم میں مفت میں اضافہ کر دیں کہ مرتین کا لفظ ایک ہی وقت میں دو گنی چیز پر بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً ارشاد خداوندی ہے۔ نوتها اجرها مرتين (پارہ ۲۲ احزاب ۳۱) مفسر قرآن علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ فان ظاهرها التعقب بلا مهلة وحكم الشيء يعقبه بلا فصل (تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

☆ مفسر قرآن علامہ احمد بن محمد الصادی آیت مذکورہ بالا کے تحت لکھتے ہیں والمعنى فان ثبت طلاقهافي مرة او مرات فلا تحل له كمااذا قال لها انت طالق ثلاثا او البتة وهذاهو المجمع عليه واما القول بان الطلاق الثلاث في مرة واحدة لا يقع الا طلقة فلم يعرف الالابن تيميه وقدرد عليه ائمة مذهبه حتى قال العماء انه الضال المضل ونسبتها للامام اشهب من ائمة المالكية باطلة (تفسیر صادی جلد ا صفحہ ۱۰۰) یعنی اگر تین طلاقیں ثابت ہو جائیں چاہے ایک مرتبہ دی گئی ہوں یا علیحدہ علیحدہ دی گئی ہوں بہرصورت وہ عورت اس خاوند پر حرام ہو جائے گی جیسا کہ کوئی خاوند اگر اپنی بیوی کو کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں، تو اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوگی اور یہ قول کہ اکٹھی تین طلاقیں دی ہوئی ایک ہی شمار ہوں گی یہ صرف ابن تیمیہ کا قول ہے اور ابن تیمیہ جو کہ حنبلی کہلاتا تھا اس کے اپنے حنبلی علماء نے ہی اس کے اس قول کو رد کر دیا ہے حتیٰ کہ علماء نے کہا ہے کہ ابن تیمیہ خود بھی گمراہ تھا اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا تھا اور اس قول کی نسبت مالکی امام اشہب کی طرف کرنا بھی غلط ہے۔

☆ بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں ان جمع الطلقتين او ثلاث تطليقات بلفظ واحد او بالفاظ مختلفة في طهر واحدة حرام بدعة موثم خلافا للشافعي فانه يقول لا باس به لكنهم اجمعم اعلى انه من قال لامرته انت طالق ثلاثا يقع ثلاثا بالاجماع (تفسیر مظہری جلد اصفحہ ۳۰۰) یعنی بے شک دو طلاقیں یا تین طلاقیں ایک ہی لفظ سے ہوں یا مختلف الفاظ سے ایک ہی طہر میں اکٹھی دینی، حرام ہیں بدعت ہیں اور گناہ ہیں لیکن امام شافعی کہتے ہیں کہ اکٹھی طلاقیں دینے میں بھی کوئی حرج نہیں البتہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ "تجھے تین طلاقیں ہیں" تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جائے گی اور بغیر حلالہ قرآنی کے رجوع نہیں ہو سکے گا۔

☆ نیز ساتویں صدی کے محدث و مفسر امام ابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں اتفق ائمة الفتوى على ايقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف (تفسیر قرطبی جلد ۳ صفحہ ۱۲۹) یعنی فتوی کے اماموں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دے دی جائیں تو تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں اور جمہور سلف صالحین کا یہی فتویٰ ہے (اپنے آپ کو سلفی کہلانے والے غور فرمائیں)

☆ نیز آپ فرماتے ہیں والمشهور عن الحجاج بن ارطاة وجمهور السلف والائمة انه لازم واقع ثلاثا ولا فرق بين ان يوقع ثلاثا مجتمعة في كلمة اومتفرقة في كلمات (تفسیر قرطبی ۱۲۹) جناب حجاج بن ارطاۃ اور جمہور سلف صالحین اور ائمہ کرام کا مشہور عقیدہ یہی ہے کہ جب تین طلاقیں دی جائیں تو یقیناً وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں اور اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ یہ تین طلاقیں یکبارگی دی جائیں یا علیحدہ علیحدہ دی جائیں۔

☆ نیز جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ پاک میں ایک آدمی نے تین طلاقیں یکبارگی دیدیں تو آپ ﷺ یکبارگی تین طلاقیں دینے پر تو ناراض ہوئے لیکن طلاق کو بحال رکھا چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں "اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امراته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله عزوجل وانا بين اظهر كم (نسائی جلد ۲ صفحہ ۹۹، مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۶، بلوغ المرام صفحہ ۳۴۷، جوہر النقی جلد ۷، صفحہ ۳۳۳، زاد المعاد جلد ۴ صفحہ ۴۳، فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۹۶، ۲۹۸ وغیرہ) اگر یکبارگی تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو حضور ﷺ کو اتنا ناراض ہونے کی کیا ضرورت تھی آپ فرما دیتے کہ اگر یکبارگی تین طلاقیں دیدی گئی ہیں تو کوئی بات نہیں یہ ایک ہی واقع ہوئی لہٰذا وہ شخص جا کر رجوع کر لے۔ آپ کی ناراضگی اس بات کو ثابت کر رہی ہے کہ رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔

☆ اسی طرح صحابی رسول جناب عویمر العجلانی نے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کو قائم رکھا اور ان میں جدائی کروادی چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں فطلقهما ثلاثا قبل ان يامره رسول الله ﷺ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۹۱، ۸۰۰، ۱۰۸۵، مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۸۹، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۳۰۵، دارمی صفحہ ۲۸۷، بلوغ المرام صفحہ ۳۵۵، موطا امام مالک صفحہ ۲۰۶، نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۰۰، بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۲۸، مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۷، روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶، زاد المعاد جلد ۴ صفحہ ۵۵، فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۳۰۱، ۳۷۹ وغیرہ)۔

☆ اسی لئے امام بیہقی نے لکھ دیا کہ جناب عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یکبارگی تین طلاقیں دیں اگر

تینوں طلاقیں یکدم دینا حرام ہوتا تو جناب رسول اللہ ﷺ ضرور اس سے منع فرماتے حدیث کے الفاظ ہیں۔ فقد طلق عويمر ثلاثا بين يدى النبي ﷺ ولو كان ذالک محرما لنهاه عنه (بیہقی شریف جلد ۷ صفحہ ۳۲۹) تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۶۷) عن سهل بن سعد فى هذا الخبر قال فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فاتعذه رسول الله ﷺ وكان ماضع عند النبي ﷺ منة قال سهل حضرت هذا عند رسول الله ﷺ فمضت السنة بعد فى المطلاقين ان يفرق بينهما (ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۳۰۶) بخاری شریف کے حاشیہ میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے۔ اجيب بان الاحتجاج به من كونه النبي ﷺ لم ينكر عليه ايقاع الثلاث مجموعة فلو كان ممنوعا لانكره (حاشیہ جلد ۶ صفحہ ۷۹۱، سنن الکبری جلد ۷ صفحہ ۳۲۸)

☆ اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کے ظاہری زمانہ اقدس میں جناب ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طلاق کو نافذ فرمادیا اور ان میاں بیوی میں جدائی کرادی چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ طلق امراته فاطمة بنت قيس على عهد رسول الله ﷺ ثلاث تطليقات فى كلمة واحدة فابانها منه النبي ﷺ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۸۵ مفہوما، دار قطنی جلد ۴ صفحہ ۱۲) ان احادیث کے مطابق امام شافعی یکبارگی تین طلاق کو بالکل جائز سمجھتے ہیں البتہ احناف کے نزدیک یکبارگی دی گئیں تین طلاقیں واقع تو ہو جائیں گی لیکن ایسا کرنا غلط اور گناہ ہے۔

☆ ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ باب باندھا گیا ہے "من طلق ثلاثافي مجلس واحد" یعنی ایک ہی مجلس میں یکبارگی اکٹھی تین طلاقیں دینے والے کا بیان اور اس باب کے تحت یہی حضرت فاطمہ بنت قیس والی حدیث کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کی گئی ہے چنانچہ اس روایت میں حضرت فاطمہ بنت قیس کے یہ الفاظ بھی درج ہیں کہ میرے شوہر (ابوعمرو بن حفص) نے یمن جاتے ہوئے مجھے اکٹھی تینوں طلاقیں دیدیں اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان یکبارگی دی گئی تینوں طلاقوں کو جائز رکھا اور نافذ فرمادیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔ طلقني زوجي ثلاثا وهو خارج الى اليمن فاجاز ذالک رسول الله ﷺ (ابن ماجہ صفحہ ۱۴۷) تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸)۔

☆ علامہ ابن اثیر حلبی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ وهذا يتمسک به من يرى جواز ايقاع الطلاق الثلاث دفعة واحدة لعدم الانكار من النبي ﷺ الاانه يحتمل ان يكون قوله طلقها ثلاثا اى اوقع طلقة يتم بها الثلاث (احکام الاحکام جلد ۲ صفحہ ۲۷) یعنی اس حدیث سے یکبارگی تین طلاقوں کے واقع ہو جانے پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور آپ کا انکار نہ فرمانا اس بات پر محتمل ہے کہ یکبارگی دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

☆ اسی طرح جب جناب عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے اپنی بیوی کو یکدم کہہ دیا کہ "تجھے ایک ہزار طلاق" تو انکی اولاد جناب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور واقعہ عرض کرکے اس کے متعلق جناب ﷺ کا حکم حاصل کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے باپ نے طلاق دیتے ہوئے خدا کا خوف نہیں کیا (اور سنت طریقہ اختیار نہیں کیا) تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اس الجھن سے نکلنے کی کیا صورت فرمائے اسکی بیوی تو تین طلاق ہی سے اس سے جدا ہو گئی البتہ اس کا یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے اور باقی ۹۹۷ فضول طلاقوں کا گناہ اس کی گردن پر ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔ يا رسول الله ان ابانا طلق امنا الفافهل له من مخرج فقال ان اباكم لم يتق الله فيجعل له من امره مخرجا . بانت منه بثلاث على غير السنة وتسع ماة وسبعة وتسعون اثم فى

عنہ (دار قطنی جلد۴صفحہ۲۰، تفسیر در منشور جلد۲صفحہ۲۳۳وغیرہ) یہ تو ایک یقینی امر ہے کہ جس شخص نے ہزار طلاقیں دی تھیں اس نے ہر مہینے ایک ایک طلاق علیحدہ علیحدہ تو نہیں دی تھی ورنہ تو ۱۰۰۰ تقسیم ۱۲= ۴-۸۳۔ یعنی وہ تراسی سال چار ماہ تک طلاقیں ہی دیتا رہا ہوگا حالانکہ اس کی کل عمر بھی اتنی نہ تھی اور پھر اس وقت تک تو اسکی بیوی بھی فوت ہو چکی تھی بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ اس نے یک لخت ہی ہزار طلاقیں دی تھیں اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان یکبارگی دی ہوئی طلاقوں کو نافذ بھی فرمادیا۔

☆ اسی طرح جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں (اکٹھی) دے دوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ میں پھر اس سے رجوع کرلوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس طرح وہ تجھ سے جدا ہو جائے گی لیکن (اکٹھی تین طلاقیں دے دینا) گناہ ہے۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ لو انی طلقتها ثلاثا اکان یحل لی ان اراجعها؟ قال لا . کانت تبین منک وتکون معصیة (دار قطنی جلد۴صفحہ۳۱) اس سے لازماً اکٹھی تین طلاقیں ہی مراد ہیں ورنہ کیا علیحدہ علیحدہ طلاق دینے کا مسئلہ بھی ابن عمر جیسے جلیل القدر صحابی کو معلوم نہ تھا۔

☆ یہ روایت امام بیہقی نے بھی اپنی سنن میں نقل کی ہے روایت کے الفاظ ہیں۔ فقال النبی ﷺ یا ابن عمر لو طلقتها ثلاثا کانت تبین منک وتکون معصیة (سنن الکبری جلد۷صفحہ۳۳۰)

☆ اسی طرح امام بیہقی روایت نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے اور جناب امام حسن ان کی جگہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو جناب امام حسن کی بیوی حضرت عائشہ الخشعمیہ نے آپ کو خلیفہ بننے پر مبارک باد پیش کی تو آپ نے فرمایا۔ میرے والد ماجد شہید ہو گئے ہیں اور تو مجھے مبارکیں دے رہی ہے جا چلی جا۔ تجھے تین طلاقیں۔ چنانچہ وہ وہاں سے چلی گئی اور اپنی عدت گزارنے لگی چنانچہ جناب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پاس حق مہر کی بقیہ رقم اور مزید دس ہزار روپے بھیجے جب قاصد یہ تمام مال لیکر ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے اشکبار ہو کر کہا کہ اس بچھڑے ہوئے محبوب کے مقابلہ میں یہ اتنی بڑی رقم بھی میرے لئے بے وقعت ہے جب قاصد واپس گیا تو جناب امام حسن کو ان کی یہ بات اور حالت بتائی تو آپ رو پڑے اور فرمایا اگر میں نے اپنے نانا جان جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا۔ یا میرے والد ماجد جناب علی المرتضیٰ نے مجھ سے حضور کی یہ حدیث بیان نہ فرمائی ہوتی کہ "جس عورت کو تین طلاقیں دے دی جائیں وہ بغیر حلالے کے پہلے خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی" تو میں ضرور اس سے رجوع کر لیتا۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔ لو لا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امراته ثلاثا لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لراجعتها (سنن الکبری جلد۷صفحہ ۳۳۶، دار قطنی جلد۴صفحہ۳۰، روح المعانی جلد۲صفحہ۱۳۸وغیرہ) یہاں بھی امام حسن نے تینوں طلاقیں یکبارگی دی ہیں اور ان "یکبارگی دی ہوئی تین طلاقوں کا موثر ہونا اور اس پر بیوی کا حرام ہو جانا اور بغیر قرآنی حلالے کے اور رجوع کی کوئی صورت نہ ہونا" اس فرمان کی نسبت امام حسن جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف فرما رہے ہیں کہیے اب کیا ارادہ ہے ذرا وہ حدیث بھی ایک بار پڑھ لیں۔ من کذب علی متعمدا فلیتبو أ مقعده من النار.

☆ نیز جناب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف روائیت کو مرفوع کر کے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ہر طہر پر ایک ایک کر کے تین طلاقیں دے یا ہر مہینے کے شروع میں

ایک ایک کر کے تین طلاقیں دے یا اکٹھی تینوں طلاقیں ایک ہی بار دیدے ہر لحاظ سے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی حتی کہ وہ عورت کسی اور خاوند سے نکاح کرے (اور وہ خاوند اس سے مباشرت تامہ کرنے کے بعد طلاق دیدے یا مر جائے تو اب عدت شرعی گزارنے کے بعد وہ پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے) حدیث کے الفاظ ہیں سمعت رسول الله ﷺ یقول ایما رجل طلق امراته ثلاثا عند کل طهر تطلیقة او عند راس کل شهر تطلیقة او طلقها ثلاثا جمیعا لم تحل حتی تنکح زوجا غیره (دار قطنی جلد ۴ صفحہ ۳۱)۔

☆ نیز جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ اے معاذ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق بدعت دے (الجمع بین التطلیقتین والثلاث بدعة ۔یعنی دو یا تین طلاقیں اکٹھی دے دینا بدعت ہے۔ تفسیر کشاف جلد ا صفحہ ۳۶۶، تفسیر بیضاوی صفحہ ۵۰ وغیرہ) نیز ان یطلقها ثلاثا بکلمة واحدة او ثلاثا فی طهر واحد (تعلیق المغنی جلد ا صفحہ ۲۹۶) یعنی تین طلاقیں ایک کلمہ سے دے دینا یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں یکبارگی دے دینا یہ طلاق بدعت ہے) ایک یا دو یا تین، اس کی بدعت طلاق بھی اس پر نافذ ہو جائے گی (یعنی یکبارگی تین طلاقیں دینا اگر چہ گناہ ہے لیکن اگر کوئی یکبارگی تینوں طلاقیں دے دے تو وہ گناہ گار تو ہوگا لیکن اس کی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی حدیث کے الفاظ ہیں۔عن انس قال سمعت معاذ بن جبل قال .قال لی رسول الله ﷺ یا معاذ من طلق فی بدعة واحدة او اثنتین او ثلاثا الزمناه بدعته (دار قطنی جلد ۴ صفحہ ۲۰، ۴۵)۔

☆ محدث سید امین محمود خطاب علیہ الرحمہ ابوداؤد شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ائمہ حدیث اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہی شمار کی جائیں گی اگر چہ یہ طلاق طلاق بدعت (گناہ اور خلاف سنت) ہوگی اور جو بعض صحابہ یا تابعین سے یکبارگی تین طلاق کو ایک بیان کیا گیا ہے وہ روایات انکے اس حکم کے منسوخ ہونے کے علم سے پہلی ہیں اور حالانکہ انکے تین ہی واقع ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے عبارت کے الفاظ ہیں وقال الائمة وعامة العلماء .الطلاق الثلاث بلفظ واحد یقع ثلاثا وان کان بدعیا. ...بان من نقل عنه من الصحابة والتابعین ان الطلاق الثلاث بلفظ واحد یقع واحدة انما کان قبل علمهم بالنسخ وانعقاد الاجماع علی وقوع الثلاث وبعد ذالک لم یصح النقل عن احد انه خالف فی ذالک ۔(فتح الملک المعبود تکملہ المنہل العذب المورود شرح ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۱۲۵)

☆ محدث ابن حزم لکھتے ہیں۔فهذا یقع علی الثلاث مجموعة ومفرقة ولا یجوز ان یخص بهذه الآیة بعض ذالک دون بعض بغیر نص (محلی ابن حزم بالآثار جلد ۹ صفحہ ۳۹۴) یعنی تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں یا علیحدہ علیحدہ وہ واقع ہو جائیں گی اور اس آیت کو بغیر کسی دلیل کے خاص نہ کیا جا سکتا۔

☆ باب ان طلق بکلمة واحدة ثلاثا او اکثر . مالک انه بلغه ان رجلا قال لعبد الله بن عباس ۔۔۔مردے گفت عبداللہ بن عباس راہر آئینہ طلاق دادم زن خود را صد طلاق پس چہ چیزے بینی بر من۔ پس گفت اورا عبداللہ بن عباس مطلقہ شد از تو بسہ طلاق ونود و ہفت تمسخر کردی بآں آیات خدائے تعالیٰ را۔مالک انه بلغه ان رجلا جاء به الی عبدالله بن مسعود ۔۔۔مردے آمد پیش عبداللہ بن مسعود پس گفت ہر آئینہ من طلاق دادم زن خود را ہشت تطلیقہ پس گفت ابن مسعود پس چہ چیز گفتہ شد ترا گفت گفتہ شد مرا کہ این زن جدا شد از من پس گفت ابن مسعود است گفتند ہر کہ طلاق دھد چنانچہ فرمودہ است خدائے تعالیٰ پس ہر آئینہ خدائے تعالیٰ بیان کردہ است حکم

برائے او۔۔۔ وحاصل کلام آنست کہ درصورت اشتباہ حرمت غالب می آید (مصفی شرح موطا مالک ومسوی جلد ۲ صفحہ ۲۷) یعنی تین طلاقیں اکٹھی دی جانے کا بیان۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں پس اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں تو اس کو جناب عبداللہ بن عباس نے فرمایا تیری بیوی تو تین طلاقوں ہی سے مطلقہ ہو گئی تھی اور باقی 97 طلاقوں سے تو نے آیت خداوندی سے مذاق کیا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بھی ایک آدمی نے آکر یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے تو جناب عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ جو بھی طلاق دیتا ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم بیان فرما دیا ہے اور اس تمام کلام کا حاصل یہ ہے کہ اشتباہ کی صورت میں حرمت غلب ہو گی۔ ان تمام معتبر روایات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ اور فتویٰ یہی ہے کہ یکدم تین طلاق دینا بدعت ہے، گناہ ہے اللہ اور اسکے رسول کی ناراضگی کا سبب ہے اور خلاف سنت ہے لیکن اگر کوئی سنت کو چھوڑ کر بدعت میں مبتلا ہوتا ہے اور یکبارگی تین طلاقیں دے دیتا ہے تو وہ تین ہی شمار ہوں گی اور اسکی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی اور بغیر شرط حلالہ کے وہ پہلے خاوند سے نکاح نہیں کرسکتی اور معتبر تفاسیر سے ثابت ہوا کہ اللہ کے قرآن سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے مخالف حضرات اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ ''حضور ﷺ اور حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق کے ابتدائی دور میں یکدم دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں'' اس روایت کی وضاحت کرنے سے پہلے ہم اتنا پوچھنا اپنا حق سمجھتے ہیں کہ اگر زمانہ نبوی اور عہد صدیقی میں یکبارگی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا اور بعد میں جناب عمر فاروق نے ان کو ایک قرار دے دیا تو ارشاد فرمائیں کہ جناب عمر فاروق نے سنت نبوی میں یہ ترمیم کر کے سنت کا خلاف تو نہیں کیا تھا؟ اگر نہیں تو وہ کیسے؟ اور اگر کیا ہے تو اگر یہی بات آج ہم کہیں تو قرآن وسنت کا فرضی نام لیکر ہم پر طرح طرح کے فتوے جڑے جاتے ہیں اور تقریر وتحریر سے ہماری مخالفت کی جاتی ہے لیکن جب وہی کام، وہی بات وہی عقیدہ جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہو رہا ہے تو جناب کا حضرت عمر فاروق کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ نیز جب جناب عمر فاروق نے آپ کے خیال کے مطابق فیصلہ مصطفوی میں یہ تغیر یا معاذ اللہ تحریف کی تھی تو تمام موجودہ صحابہ کرام کا ردعمل کیا ہوا تھا؟ کسی معتبر حوالہ سے انکشاف فرمائیں مہربانی ہوگی اگر تو صحابہ کرام نے فیصلہ فاروقی پر اختلاف وانکار کیا تھا تو ثابت کریں؟ اور اگر اس مسئلہ پر جناب عمر فاروق کے خلاف صحابہ کرام نے کوئی کاروائی نہیں کی تو اس خلاف حق سکوت پر ان صحابہ کے متعلق آپکا کیا فتویٰ ہے؟ اور اگر جناب عمر فاروق، عثمان غنی علی المرتضیٰ، جناب عبداللہ بن عمر، جناب عبداللہ بن عباس، جناب عمرو بن العاص وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام اور جو تابعین کرام، تبع تابعین کرام، محدثین ومفسرین کرام یکبارگی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے ہیں ان سب اکابرین اسلام نے قرآن وسنت کی مخالفت تو نہیں کی؟ اگر نہیں کی تو وہ کیسے؟ اور اگر کی ہے تو انکے متعلق جناب کا کیا فتویٰ ہے؟ اور آج بھی جو اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتا ہے اس پر کیا شرعی فتویٰ ہوگا؟ اور پھر یہ ابن عباس کی موقوف روایت ہے تعجب ہے کہ حضرت عمر فاروق کے فتویٰ پر عمل نہیں کر رہے اور ابن عباس کی موقوف روایت پر عمل کیا جا رہا ہے اگر کہیں کہ اس کی تصدیق حدیث سے اور فرمان مصطفیٰ سے بھی ہوتی ہے تو اول تو ابھی واضح ہو جائے گا آپ کا مزعومہ فیصلہ نبوی کس درجہ میں آتا ہے البتہ فی الحال عرض ہے کہ ہم سے ہر بات پر دن رات بخاری مسلم کا مطالبہ کیا جاتا ہے کیا اس معاملہ میں بخاری مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ یعنی مکمل صحاح ستہ نے ہی آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے الحمد للہ ہم صحاح ستہ کی اتنی روائتیں نقل کر رہے ہیں انکے مقابلے میں کوئی ان کے درجہ کی حدیث پیش کی ہوتی ہم سے ہمیشہ بخاری کا مطالبہ اور اپنے لئے مسند احمد کا

سہارا؟ بات قابل غور ہے کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے ہٹ چھوڑیئے اور سر انصاف آیئے انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک۔ اس مسئلہ کے متعلق صحاح ستہ کی صحیح احادیث کا صحیح فیصلہ مان لو۔ یقیناً یہ فیصلہ روح قرآنی اور فرمانی مصطفوی کے عین مطابق ہے اور اگر جناب ابن عباس کا یہ ہی فتویٰ تھا جو آپ بتا رہے ہیں تو جو باقی سینکڑوں مقامات پر جناب ابن عباس سے اس کے خلاف روائتیں ہیں ان کا کیا جواب ہوگا؟ آپ کو تو بس ایک ہی جواب پڑھایا گیا ہے "جو روایت ہمارے خلاف ہے بس وہ غلط ہے" لیکن اس طرح کہہ دینے سے جان تو نہیں چھوٹ جاتی۔ غلط کہا جائے تو غلط ثابت بھی کرنا پڑتا ہے جو کہ مشکل ہوتا ہے اور اگر بخاری مسلم اور باقی صحاح ستہ کی صحیح حدیثیں بھی غلط ہیں تو پھر انہیں "صحاح ستہ" کہنے کے کیا معنی؟ نیز اس مقولہ "ان اصح الکتب بعد کتاب الله صحیح البخاری" کا مطلب کیا رہ جائے گا۔ خدارا اسلام اور اہل اسلام پر رحم کریں اور انہیں قرآن وحدیث پر عمل کرنے دیں انہیں ابن تیمیہ کا مقلد نہ بنائیں آپ کی نقل کردہ ابن عباس والی روایت کے متعلق امام بیہقی لکھتے ہیں "وھذا الحدیث احد ما اختلف فیه البخاری ومسلم فاخرجه مسلم وترکه البخاری واظنه انما ترکه لمخالفته سائر الروایات عن ابن عباس (سنن الکبری جلد ۷ صفحہ ۳۳۷) یعنی یہ ان روایات میں سے ایک روایت ہے جن میں امام بخاری اور امام مسلم کا اختلاف ہے امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے لیکن امام بخاری نے اسے چھوڑ دیا ہے (گویا کہ امام بخاری کے نزدیک یہ روایت صحیح اور قابل احتجاج نہیں ہے) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں امام بخاری نے اس روایت کو اس لئے چھوڑا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس کی روایات میں آپس میں بہت اختلاف ہے ہمیں ہمیشہ کہا جاتا ہے "بخاری میں سے دکھاؤ" اگر ہم بھی کہہ دیں کہ یہ روایت بخاری میں سے دکھاؤ تو پھر کیا بنے گا؟ البتہ الحمدللہ ہم اپنا موقف بخاری مسلم بلکہ تمام صحاح ستہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ ماننا نہ ماننا آپ کی قسمت۔

ہٹ چھوڑیئے اور سر انصاف آیئے — انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

نیز آپ کی نقل کردہ یہ روایت طاؤس کے طریقے سے بیان کی گئی ہے اس روایت کے متعلق امام قرطبی فرماتے ہیں قال ابن عبدالله وروایة طاؤس وھم غلط لم یعرج علیها احد من فقهاء الامصار با لحجاز والشام والعراق والمشرق و المغرب وقد قیل ان ابا الصهباء لا یعرف فی موالی ابن عباس (تفسیر قرطبی جلد ۳ صفحہ ۱۲۹) یعنی ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ طاؤس کی روایت غلط ہے وہم ہے اور حجاز (عرب) شام، عراق اور مشرق ومغرب کے فقہاء میں سے کسی ایک فقیہہ نے بھی اس روایت پر اعتماد نہیں کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو صہباء ابن عباس کے غلاموں میں معروف ہی نہیں ہے نیز علامہ ماردینی المشھور با بن ترکمانی متوفی ۸۴۵ء اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔ ان قول طاؤس ان اباالصهباء دلیل علی ان ابا الصهباء له مدخل فی روایة هذاالحدیث عند البیهقی، ابو الصهباء ممن روی عنهم مسلم دون البخاری وتکلموا فیه قال الذهبی فی الکاشف قال النسائی ضعیف فعلی هذا یحتمل ان البخاری ترک هذا الحدیث لا جل ابی الصهباء وذکر صاحب الاستذکار ان هذه الروایة وهم غلط لم یعرج علیها احد من العلماء وقد قیل ابوالصهباء لا یعرف فی موالی ابن عباس وطاؤس یقول ان اباالصهباء مولاه سأله عن ذالک ولا یصح ذالک عن ابن عباس لروایة الثقات عنه خلافه ولو صح عنه ماکان قوله حجة علی من هو من الصحابة اجل واعلم منه وهم عمر وعثمان وعلی وابن مسعود و ابن عمر وغیر هم (جوہر النقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۸) یعنی طاؤس کا یہ کہنا "ان ابا الصهباء" امام بیہقی کے نزدیک اس بات کی دلیل ہے کہ اباالصہباء اس حدیث کی روایت میں مدخل

ہے۔ ابوالصہباء ان لوگوں میں سے ہے جن سے مسلم تو روایت کرتے ہیں لیکن امام بخاری نے روایت نہیں کی اور اس میں کلام کیا گیا ہے امام ذہبی نے کاشف میں ذکر کیا ہے کہ امام نسائی نے کہا ہے یہ ضعیف ہے اسی وجہ سے امام بخاری نے اس روایت کو نہیں لیا کیونکہ اسمیں ابوالصہبا ہے اور صاحب استذکار نے کہا ہے کہ یہ روایت وہم ہے غلط ہے اور علماء میں سے کسی نے بھی اس پر اعتماد نہیں کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس کے غلاموں میں سے ابوالصہباء نام کا کوئی شخص معروف ہی نہیں ہے اور طاؤس نے کہا ہے کہ یہ ان کا غلام تھا اور اس نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا اور مضبوط اور ثقہ روایات کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے اس مسئلہ کی نسبت ابن عباس کی طرف صحیح نہیں ہے اور اگر اس بات کی نسبت جناب عبداللہ بن عباس کی طرف ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہ ان اکابر صحابہ کرام کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی (جو بیک وقت تین طلاقیں واقع ہو جانے کے قائل ہیں) جو ان سے علم اور مرتبے میں بڑے ہیں مثلا جناب عمر فاروق، جناب عثمان غنی، جناب علی المرتضی، جناب عبداللہ بن مسعود اور جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرھم نیز جناب عبداللہ بن عباس کی یہ روایت جس میں اکٹھی تین طلاقوں کو ایک کہا گیا ہے اس کے متعلق شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں۔ **قد روی احادیث عن ابن عباس هذ بانتساخ** (عمدۃ القاری جلد ۲۰ صفحہ ۲۳۳) یعنی جناب عبداللہ بن عباس سے جو (بہت سی) احادیث مروی ہیں (جن میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا گیا ہے) وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے آگے آپ اس روایت کے منسوخ ہونے کی عقلی دلیل پیش کرتے ہیں لکھتے ہیں۔ **وخاطب عمر رضی الله عنه بذالک الناس الذين قد علموا ما تقدم من ذالک فی زمن النبی ﷺ فلم ينكر عليه منهم منكرا ولم يدفعه دافع فكان ذالک اكبر الحج فی نسخ ماتقدم من ذالک** (عینی شرح بخاری جلد ۲۰ صفحہ ۲۳۳) یعنی جب حضرت عمر فاروق نے یہ طلاق والا مسئلہ بیان فرمایا تو اس وقت آپ کے سامنے وہ لوگ (صحابہ کرام) تھے جو اچھی طرح جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ پاک میں یہ مسئلہ کس طرح تھا تو ان (صحابہ کرام) میں سے کسی ایک شخص نے بھی جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات پر انکار نہ کیا اور آپ کی بات کا رد نہ کیا (حالانکہ یہ بات بھی یقینی ہے کہ صحابہ کرام غلط مسئلہ سن کر خاموش رہنے والے بھی نہیں تھے) لہٰذا صحابہ کرام کا اس مسئلہ کو بغیر کسی پس وپیش کے خاموشی سے مان لینا یہ اس روایت کے منسوخ ہونے پر بہت بڑی حجت اور دلیل ہے۔ نیز آپ لکھتے ہیں۔ **لما خاطب عمر الصحابة بذالک فلم يقع انكار صار اجماعا** (حوالہ ایضاً) یعنی جب جناب عمر فاروق نے صحابہ کرام کے سامنے یہ مسئلہ (کہ اکٹھی دی جانے والی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی) بیان فرمایا اور کسی ایک صحابی نے بھی اس پر انکار نہ کیا تو اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہو گیا نیز شارح صحیح مسلم۔

امام نووی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ **قال المازری وقد زعم من لا خبرة له بالحقائق ان ذالک كان ثم نسخ قال وهذا غلط فاحش لان عمر رضی الله عنه لا ينسخ ولو نسخ وحاشاه لبادرت الصحابة الى انكاره وان اراد هذا القائل انه نسخ فی زمن النبی ﷺ فذالک غير ممتنع** (نووی بر مسلم جلد ا صفحہ ۴۷۸) یعنی علامہ مازری کہتے ہیں کہ جو حقیقت حال سے بے خبر شخص یہ کہتا ہے کہ (جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ پاک میں اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ پاک میں) ایک مسئلہ تھا جو کہ بعد میں جناب عمر فاروق نے منسوخ کر دیا اور بدل دیا تو یہ اس شخص کی نہایت فحش غلطی ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق ایسا کبھی نہیں کر سکتے (کہ حضور کے حکم کو تبدیل فرمائیں اور اگر فرض محال حضرت عمر ایسا کرتے تو) صحابہ کرام ان کے حکم کا نہایت شدت سے

انکار کر دیتے اور اگر پہلے حکم کو منسوخ کہنے والے کی مراد یہ ہے کہ یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں ہی منسوخ ہو گیا تھا تو اس طرح کہا جا سکتا ہے نیز بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ ابن عباس کی اس روایت کے متعلق وضاحت فرماتے ہیں۔ فیہ دلالۃ علی ان الحدیث منسوخ فان امضاء عمر الثلاث بمحضر من الصحابۃ وتقرر الامر علی ذالک یدل علی ثبوت الناسخ عندھم وان کان قد خفی ذالک قبلہ فی خلافۃ ابی بکر وقد صح فتوی ابن عباس علی خلاف ما رواہ (تفسیر مظہری جلد ا صفحہ ۳۰۲) اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ یہ روایت منسوخ ہے کیونکہ جناب عمر فاروق کا کثیر تعداد صحابہ کرام کے سامنے تین طلاقوں کا مسئلہ جاری فرمانا اور پھر اسی حکم کے مطابق صحابہ کرام کا عمل پیرا ہونا ان صحابہ کرام کے نزدیک پہلے حکم کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے اگر چہ یہ مسئلہ اس سے پہلے جناب سیدنا صدیق اکبر کے زمانہ میں مخفی رہا اور جناب ابن عباس کی اس روایت کے خلاف آپ کا فتویٰ (متعدد صحیح روایات سے) صحیح طور پر ثابت ہے دراصل یکبارگی دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دینا زمانہ نبوی ﷺ سے چلا آ رہا ہے آپ کے متعدد فیصلے اس بات پر شاہد عدل ہیں البتہ اگر کوئی شخص تین طلاق کا لفظ نہ بولتا صرف طلاق طلاق طلاق کہتا اور بعد میں کہتا کہ دراصل میرا ارادہ صرف ایک ہی طلاق دینے کا تھا اور باقی الفاظ میں نے صرف تاکیدا اور تکرارا بولے تھے تو جناب رسول اللہ ﷺ ان پاک طینت لوگوں (صحابہ کرام) کی زبان پر اعتماد فرما لیا کرتے تھے اور اس طلاق کو ایک ہی شمار فرما لیتے تھے اسی طرح زمانہ صدیقی میں بھی لوگوں کی نیتوں پر اعتماد کر کے اس کے مطابق ہی احکام جاری ہوتے رہے کیونکہ وہ ایسے نیک لوگ تھے کہ ان کی زبان پر اعتماد کیا جا سکتا تھا لیکن بعد میں جب زمانہ فاروقی میں مملکت اسلامیہ کا دائرہ ایران، مصر یمن اور شام تک پھیل گیا اور عام لوگ اس رخصت سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے کہ پہلے طلاقیں دے لیتے اور بعد میں کہہ دیتے کہ میرا ارادہ تو صرف ایک ہی کا تھا حتی کہ جناب عمر فاروق نے جب دیکھا کہ لوگوں نے طلاق کے مسئلہ کو مذاق بنا لیا ہے اور پھر وہ تمام لوگ اس قابل بھی نہیں تھے کہ ان کی زبان پر اعتماد کر لیا جاتا تو حضرت عمر نے فیصلہ مصطفوی میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ ہی معاذ اللہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی عدالت وثقاہت کے متعلق فرمان مصطفوی "لو کان بعدی نبی لکان عمر" (ترمذی مشکوۃ وغیرہ) اور فرمان مصطفویٰ ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلب (دلائل النبوۃ ومشکوۃ وغیرہ) وغیرہ زینت قراطیس کتب حدیث ہیں فیصلہ مصطفویٰ میں کسی طرح تغیر وتبدل یا ترمیم کر سکتے تھے بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ زمانہ مصطفوی میں جب کسی نے طلاق بتہ دی اور نیت ایک کی ظاہر کی تو حضور ﷺ نے ان کی زبان کا اعتبار کیا کیونکہ وہ قابل اعتبار لوگ تھے اور زمانہ فاروقی کے تمام لوگ اس درجہ قابل اعتبار نہیں تھے لہٰذا آپ نے ان کی زبانوں پر اعتماد نہ کرنے کا اعلان کر دیا یہ کوئی شرعی قانون نہیں بلکہ یہ قاضی کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ مدعی کی بات کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں ورنہ پھر معاذ اللہ جناب فاروق اعظم کی ذات پر مخالفت رسول اللہ ﷺ کا بہتان لازم آئے گا اور اگر جناب عمر فاروق جیسے بزرگ صحابی پر مخالفت نبوی کا گمان کر لیا جائے تو پھر باقی صحابہ کرام جو ان سے عدالت وثقاہت میں کم درجہ کے ہیں انکی عدالت وثقاہت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر معاذ اللہ صحابہ کرام کی عدالت وثقاہت مشکوک ہو جائے تو پھر تمام دین ہی مشکوک ہو جائے گا کیونکہ ہم تک شریعت کے جتنے احکام بھی پہنچے ہیں وہ صرف اور صرف صحابہ کرام ہی کے واسطے سے تو پہنچے ہیں

(بقیہ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

قادیانیوں پر برق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقیدہ ختم نبوت دین اسلام کی اساس ہے. ایمان کا مرکز ومحور ہے، مومن کے ایمان کی ساری عمارت اس عقیدے پہ کھڑی ہوتی ہے۔اس عقیدہ سے ذرہ برابر انحراف کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ہمارے پیارے آقا ومولی سید الکونین خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔۔اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت ورسالت ختم فرمادی ہے آپ پر نازل ہونے والی کتاب آخری ہے آپ کی شریعت وامت آخری ہے۔لہذا آپ کے بعد اب کوئی بھی کسی قسم کی تشریعی غیر تشریعی ظلی بروزی نبوت کے جاری ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کذاب ہے کافر ومرتد ہے اس بات پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔۔

منکرین ختم نبوت نے ہر دور میں عقیدہ ختم نبوت پر حملہ آور ہونے کی ناپاک اور ناکام کوششیں کیں. علماء کرام اور مشائخ عظام نے ان کذابوں کا بروقت تعاقب کیا اور ہر لمحہ اسی میں مصروف کار ہیں۔انہیں حضرات کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ آئے روز ہمیں یہ مبارک خبریں سننے کو ملتی ہیں کہ فلاں جگہ پر فلاں صاحب کی کوشش سے اتنے لوگ قادیانیت پر سو حرف بھیج کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔گزشتہ روز کچھ ایسی ہی خبر "حاصل پور" سے موصول ہوئی۔۔

"حاصلپور میں چار قادیانی گھرانوں کا پیر سید احمد محمد شاہ صاحب کے دست مبارک پر قبولیت اسلام"

برصغیر پاک وہند کی علمی وروحانی خانقاہ "چورہ شریف" کے عظیم چشم وچراغ، ماہتاب چورہ شریف، پیکر علم وعرفان، صاحبزادہ پیر سید احمد محمد شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم العالیہ بیک وقت ایک بہترین متکلم، اعلیٰ درجہ کے خطیب، جید عالم دین، ایک بہترین شیخ اور اخلاق حسنہ سے مزین شخصیت ہیں۔۔ قدرت نے آپ کو بیشمار صلاحیتوں سے نوازا ہوا ہے۔آپکی خطابت فصاحت وبلاغت سے بھرپور اور علمی وعقلی استدلال سے مرصع مگر عوام کے دلوں میں گھر کر لینے والی سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔آپ کی خطابت کا موضوع اکثر عشق مصطفیٰ، ادب مصطفیٰ، ختم نبوت اور اہلسنت کے عقائد ونظریات کی ترویج واشاعت ہی ہوتا ہے۔آپ کے خطابات کو سن کر کئی لوگ گمراہی وبے دینی کے عمیق گڑھوں سے نکل کر راہ راست پر گامزن ہو چکے ہیں۔۔19 اکتوبر 2020 بروز پیر آپ نے "حاصل پور" میں ختم نبوت کے موضوع پر دلائل سے مزین وآراستہ علمی وفکری خطاب فرمایا جسے سن کر 4 قادیانی گھرانوں نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا ہے. اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت بھی کی ہے. اللہ تعالیٰ بوسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ کے زور بیان میں مزید برکتیں پیدا فرمائے اور نو مسلمین کو دین اسلام پر استقامت عطا فرمائے. آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم.

دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے خوش نصیبوں میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں.

فیصل محمود ولد محمد افضل بھٹی۔ چک نمبر 183/M حاصلپور۔عبدالرحمٰن ولد زاہد بھٹی، چک نمبر 183/M حاصلپور۔۔

(ازقلم: محمد افضال حسین نقشبندی مجددی

Monthly Mujjalah **AL-HAQIQA** Reg No: C.P.L.208 December 2020

الحمد للہ مجلہ الحقیقہ کا خصوصی (اہلسنت نمبر) شائع ہو چکا ہے

